دیوان غریب نوازؒ

زیر نگرانی

مسلم احمد نظامی ایم اے

نذر

میں اپنی اس کوشش کو حضور غریب نوازؒ میں پیش
کرنے کی جسارت کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں۔
کیا عجب ہے کہ یہ خدمت مقبول ہو جائے۔

مُسلم احمد نظامی ایم اے

ناشر

کتب خانہ نذیریہ۔ اردو بازار جامع مسجد
دھلی

ہدیہ :۔ چار روپے آٹھ آنے

یہ ھدیۂ عقیدت روحانی دنیا کے اس بادشاہ کا
کلام کہا جاتا ھے جس کو دنیا غریب نواز رح
پکارتی ھے ۔

مسلم احمد نظامی ایم اے

مطبوعہ
کوہ نور پرنٹنگ پریس دہلی

اظہار عقیدت

عقیدت کیا چیز ہے ؟ یہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے ، بلکہ اگر محال کہا
جائے تو بے جا نہ ہوگا ۔ عقیدت میں آدمی کیا کر گزرتا ہے ۔ یہ عقیدت مندہی جان
سکتا ہے ۔ مذہب اسلام ہی وہ مذہب ہے جس میں چودہ سو برس گزر جانے کے
بعد بھی وہ لوگ پائے جاتے ہیں جن کو صحابۂ کرام کا اخلاق ، ان کی عبادت و ریاضت
حاصل ہے جن کی زندگیاں آج بھی ایمان کی چلتی پھرتی تصویریں ہیں ۔ اور سچ
تو یہ ہے کہ یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کی بدولت زمین آسمان رکے ہوئے ہیں ،
ورنہ دنیا کے اعمال تو اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ اگر اس دنیا کو زمین و آسمان کی چکی کے
دونوں پاٹوں میں بے دریغ پیس دیا جائے اور ہائے نہ کی جائے تو بے جا نہ
ہو ۔ مگر قدرت کی کریمی یہاں بھی آڑے آتی ہے اور جہاں نیک بندے اپنی دعاؤں کی
بدولت آفات کو روکنے میں دن اور رات مصروف ہیں وہاں ہم جیسے بدکار بھی عیش
کی زندگی گذار رہے ہیں جن کے اعمال کا آئینہ کدورتوں سے مکدر ہو کر اندھا ہو گیا ہے
اسی اندھیرے کو دور کرنے کے لئے ، اسی گمراہی کو سمیٹنے کے لئے قدرت گاہے
گاہے اپنے نمائندے بھیجتی رہی ہے ان میں سے کچھ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم تھے
اور جب نبوت کا سلسلہ سرکار نبوت پر ختم ہوا تو منشائے الٰہی کے ماتحت یہ کام
صحابہ کرام نے سنبھالا ۔ ان کے بعد اسی فرض کو تابعین نے پہچانا اور پوری کوشش

کی کہ دنیا احکام الہٰی و فرمان رسول کے مطابق چلے اور اس کوشش میں ان کو جو کامیابی ہوئی تاریخ داں حضرات جانتے ہیں۔ اور یہ کامیابی صرف اس عقیدت کی وجہ سے تھی جو ان بزرگوں کو حضرت پیغمبر علیہ السلام سے تھی۔ ان کے بعد یہ سلسلہ تبع تابعین نے سنبھالا اور وہ بھی کامیاب رہے اور پھر اس میدان میں اولیاء کرام کی وہ جماعت آئی جن کا اوڑھنا بچھونا بجز رضائے الہٰی کچھ نہ تھا۔ یہ لوگ اپنے آرام کو پس پشت ڈال کر تبلیغ دین کے میدان میں ایسی ایسی جگہ گئے جہاں کفر وظلمات کی اندھیریاں دن کو رات بنائے ہوئے تھیں اور انتہائی مصائب اٹھانے کے باوجود یہ حضرات اس میدان میں مرد میدان ہی بنے رہے اور ان ہی میں حضرت معین الملت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی بھی آتا ہے۔ آپ کی زندگی ایک کامیاب زندگی تھی۔ جس میں مصائب دل کھول کر سامنے آئے مگر استقامت اور ہمت حاوی آئی اور حضرت غریب نواز اس سلسلے میں کامیاب رہے۔ یوں تو حضرت غریب نواز سے قبل چشتیہ سلسلہ کے کچھ بزرگ ہندوستان آئے مگر جہاں تک چشتیہ سلسلہ کا تعلق ہے یہ سہرا غریب نواز ہی کے سر ہے کہ آپ اس سلسلہ کے ہندوستان میں بانی قرار دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ اس سلسلہ کی ترویج آپ ہی نے فرمائی۔

پرتھوی راج کا پرآشوب دور الامان و الحفیظ ہر طرف کفر وظلمت کا گھنگھور اندھیرا چھایا ہوا تھا ــــ اسی اندھیرے میں مذہب اسلام کی نور افشانی کے لئے حضرت نے ہمت فرما کر اعلائے کلمۃ الحق فرمایا۔ اور آپ نے بڑی ہی کوشش فرما کر دین اسلام کی تبلیغ شروع فرمائی۔ یہ ایک ایسا اہم کام تھا جس میں اپنی ہمت اور عزم کے ساتھ خود اعتمادی نے کامیابی یقینی کر دی۔ اجمیر کی سرزمین جو راجپوت سامراج

کا مرکز تھا آپ نے منتخب فرمائی۔ ہر جگہ کا غیر مسلم اس جگہ جمع ہو کر اپنے مذہبی رسومات پورے کرتا تھا۔ گویا اجمیر سیاسی [illegible] مذہبی مرکز تھا۔ آپ نے اسی سرزمین پر اپنی خانقاہ بنائی اور لوگوں کو مذہب اسلام کی تجلیوں سے واقف فرمانے لگے۔ اگر استقلال نہ ہوتا تو یہاں کچا پکا نہ جم سکتا تھا مگر وہاں تو قدرت کو منظور ہی کچھ اور تھا۔ اس مرکز ظلمات کو توڑنے والے زمانہ کے لئے مرکز فیوض بنانا تھا۔ اس لئے آپ کی آمد کو ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب سمجھا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

گیارھویں اور بارھویں صدی میں ہندوستان میں چھوت چھات کا وہ زور تھا کہ انسان اناج کی ڈھیریوں کی طرح بٹے ہوئے تھے۔ نہ اتحاد فکر و عمل تھا نہ آپس میں محبت و خلوص۔ بلکہ اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ تھا جو بج رہا تھا مگر بے سر و تال۔ جس کی آواز سے کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ تمدنی دنیا میں یہ اندھیرا دور وہ دور تھا جس سے زندگی کے پودے مرجھائے جانے لگے تھے۔ انسان انسانیت سے گر کر حیوان سے بدتر ہو گیا تھا۔ اونچی ذات کے لوگوں کے ارد گرد زندگی کی رعنائیاں انگڑائیاں لیتی دکھائی دیتی تھیں۔ اگر مزید تفصیل دیکھنی منظور ہو تو ابی الریحان البیرونی کی کتاب الہند دیکھنے سے حقیقت اچھی طرح سامنے آجائے گی۔

اس چھوت چھات کے دور میں حضرت غریب نواز نے اسلامی تعلیمات کو عملی حیثیت سے پیش کیا۔ جس سے سماجی خود ساختہ اونچ نیچ ختم ہوئی زندگی اپنی اصل کیفیت پر آئی اس طرح وقت کی سب سے اہم ضرورت پوری ہوئی۔ گرتا ہوا انسان جو زندگی پر موت کو ترجیح دیتا تھا اب پھر زندگی کی تمنا کرنے لگا تھا۔ اس انقلاب عظیم کا

بانی محلوں میں نہ رہتا تھا بلکہ ایک معمولی سی جھونپڑی میں ایک دوتہی لپیٹے ہوئے دنیا والوں کو یہ بتا رہا تھا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم ہی انسانیت کا کا صحیح مسلک ہے۔ انا ربکم الاعلیٰ ہنے والی قوم اس پیغام کو سن کر سماجی زنجیروں کو توڑ کر آگے بڑھی اور اس پیغام کو جو پیغام حق تھا بڑے شوق و ذوق سے سنا اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لی کہ صرف یہ ہی راستہ نجات کا راستہ ہے۔ وہ انسان جس کو پانچ مثقال سے زیادہ کی روٹی کبھی نصیب نہ ہوتی تھی اس پیغام کو سنانے والا تھا۔ جس نے سنا اس کے دل میں ایک انقلاب پیدا ہوا۔ اس غریب انسان نے نظر کی تاثیر سے اس کفر کے سمندر میں خشکی کی لہر دوڑا دی نہ صرف یہ بلکہ اس نے جدھر آنکھ پھر کر دیکھا معصیت اور لغزشوں کے سوتوں کو ہمیشہ کے لئے خشک کر دیا۔ وہ سینہ جو برسوں سے کفر و الحاد کی تاریکیوں میں گھرا ہوا تھا اس پیغام حق سے ایمان کی منور قندیل بن گیا۔ وہ دماغ جس میں نفرت و حقارت کے خیالات پرورش پا رہے تھے اس پیغام کو سن کر محبت و رواداری مساوات و اخوت کی تجاویز پر غور کرنے لگا۔ وہ سر جو آج تک بتوں کے آگے جھکا کرتا تھا اب صرف اس ذات کے آگے جھکنے لگا جو حقیقت میں عبادت کے لائق ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ صاحب سیر الاولیاء شریف کہتے ہیں کہ پرتھوی راج کا ایک مقرب درباری حضرت غریب نواز کا مرید ہو گیا۔

ادھر سیاسی حالات میں تغیر پیدا ہوا۔ محمد غوری اور قطب الدین ایبک نے ہندوستان پر حملہ کر کے متعدد فتوحات حاصل کیں اور اس طرح حکومت کا مرکز لاہور منتقل ہوا اور لاہور سے دہلی چلا گیا۔ مگر حضرت غریب نواز نے

اجمیر شریف کو ہی اپنا مرکز بنائے رکھا۔ مگر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی میں مقرر فرمایا۔ سچے پیر کے سچے مرید خواجہ قطب صاحب دہلی میں آئے تو یہاں کی دنیا ان کی غلام ہو کر رہ گئی۔ مگر یہ ہی وہ بزرگ تھے کہ باوجودیکہ ان کو سچا اقتدار حاصل تھا مگر کبھی سیاسی دنیا سے تعلق نہ رکھا۔ یہ تھے وہ لوگ جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر اپنی ہر چیز قربان کر دینے میں ذرا بھی تامل نہ کرتے تھے اور یہ ہی وجہ تھی کہ ماحول کی زہریلی فضا کبھی ان پر اثر انداز نہ ہوئی۔

ایسی بلند ہستی جس کو دنیا میں یہ عروج تھا اگر چاہتی تو روحانی بادشاہت کے ساتھ ساتھ زمین کی بادشاہت پر بھی قبضہ کر لیتی مگر دنیا کی لذات و خواہشات تو ان کے سامنے کوئی اہمیت ہی نہ رکھتی تھیں۔ اس لئے جہاں کہیں اور جب کہیں دنیا کے اقتدار پسندوں کو اپنی ایمانی کمزوریوں کے باعث ان کے اردگرد جمع ہوتی ہوئی مخلوق کے والہانہ جذبہ سے خوف معلوم ہوا ان بزرگوں نے ہمیشہ ان کے اس خوف کو دور کر کے ان کو یقین دلایا کہ دنیاوی حکومتوں سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں۔ ان کا کام صرف اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے راستوں پر مخلوق کو چلانا ہے۔ اس پر زمانہ کے دستور کے مطابق کچھ لوگوں نے یقین کیا اور کچھ نے نہ بھی کیا۔ تاریخ سے اس تنازعہ کے متعلق پتہ چلے گا جو خواجہ قطب صاحب اور قاضی نجم الدین کبریٰ میں ہوا۔

حضرت محبوب الٰہی کے زمانہ میں بھی ان کی مخالفتیں حکومت اور اس کے اعیان و انصار کی طرف سے ہوئیں مگر یہ عقل کے اندھے یہ نہ دیکھتے تھے

کہ یہ لکھ مٹانے والی ہستیاں جن کے اپنے تن پر نہ ڈھنگ کا کپڑا ہے نہ پیٹ کو قرینہ کی روٹی ہے کس طرح دنیاوی حکومت کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھ سکتے تھے ۔ جب بھی ان سے مقابلہ ہوا تو حکومت کے نشہ میں سرشار یہ دنیا والے ہمیشہ شکست کھا کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے ۔ بعض اوقات حکومت کی پوری قوتیں ان کے مقابلے میں ڈٹ گئیں ۔ مگر قربان ہو جائیے ان کی صداقت کے کہ ان کا بال بھی بیکا نہ ہوا مگر یہ حکومتیں ختم بھی ہو گئیں ۔

ایک انگریز نے اپنی کسی کتاب میں لکھا ہے :۔

" میں نے ہندوستان میں ایک ایسا مردہ دیکھا ہے جو زندوں پر حکومت کرتا ہے ۔ "

یہ بات اس نے حضرت غریب نواز کے متعلق کہی ۔ بات دنیاوی اعتبار سے سچی ہے مگر اس کو کیا معلوم کہ یہ لوگ زندہ ہیں اور زندہ لوگوں ہی پر حکومت کرتے ہیں ۔

سرزمین اجمیر جہاں غریب نواز کا مسکن ہے آج بھی دنیا والوں کے لئے فیض کا وہ چشمہ ہے جس میں کبھی خشکی کے آثار بھی پیدا نہیں ہوئے ۔ ہندو، سکھ عیسائیوں کی وہ کثرت رہتی ہے کہ بیان سے باہر ہے ۔ آخر کیوں یہ لوگ حضور کے مزار پر انوار پر حاضری دینا فخر سمجھتے ہیں ؟ صرف اس لئے کہ یہاں سے ان کو وہ فیض حاصل ہوتا ہے جس سے ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں، جس سے ان کی روحوں کو سکون میسر آتا ہے ۔ وہاں کی روحانی فضا ، وہاں کا پرنور ماحول، وہاں کی جنت نظیر سرزمین اس قابل ہے کہ وہاں جا کر گھر واپس آنے کو جی اس کا چاہتا ہے

جس کا دل مردہ اور روح پژمردہ ہو چکی ہو۔ ورنہ وہ جگہ تو ایسی جگہ ہے جہاں اللہ والے کو اللہ اللہ کرنے میں وہ لطف حاصل ہوتا ہے اور ایسا دل لگتا ہے کہ جس کا جواب نہیں۔

روز و شب اللہ اللہ کرنے والی یہ ہستی جس کے سامنے دنیا کی گردنیں جھکتی تھیں اپنے اس اقتدار کو دیکھ کر فخر نہ محسوس کرتی تھی، بلکہ وہ غریب نواز تھی ۔ غریبوں کو وہاں سب کچھ ملتا تھا۔ سب کچھ ملتا ہے اور سب کچھ ملتا رہے گا۔ آؤ غریب بن کر غریب نواز کے دربار میں چل کر دل کی تمنائیں بارگاہ الٰہی میں پیش کر دو کوئی وجہ نہیں کہ باری تعالیٰ اپنی اس بزرگ باعظمت شخصیت کے طفیل میں تم کو وہ سب کچھ نہ دے دے جو تم چاہتے ہو بشرطیکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔

سلطان الہند ہوتے ہوئے معین الملۃ بھی ہیں، معین الدین بھی ہیں، خواجۂ بزرگ بھی ہیں، خواجۂ خواجگان بھی ہیں اور مزید برآں غریب نواز بھی ہیں۔ ان کے ملنے والے ان کے چاہنے والے، ان کی خدمات کے معترف چار دانگ عالم میں موجود ہیں۔ آج بھی ان کے دربار میں ہزاروں انسان آنکھیں بچھاتے ہوئے ملیں گے۔ عقیدت کے پھول ہندو مسلم جب دربار میں پیش کرتے ہیں تو وہ نظریں جن کو قدرت نے بصیرت عنایت فرمائی ہے محسوس کرتی ہیں کہ انسانیت کا محسن اعظم۔ یہ کملی پوش شہنشاہ آج بھی دنیا کو پیغام اخوت و محبت دے رہا ہے۔ اب جو اس آستانہ عالیہ پر سے لوٹا تو اس کی دنیا ہی پلٹ جاتی ہے۔ نہ چھل نہ فریب نہ بغض نہ عداوت۔ نہ کذب نہ افترا۔ بس اس کے پاس ایک چیز ہوتی ہے

پرخلوص محبت انسان کے لئے نہیں کل مخلوق کے لئے۔ یہ ہے وہ عطیہ جو دربار غریب نواز سے آج بھی وہاں حاضر ہونے والوں کو ملتا ہے۔ یہ پیغام محبت، یہ مساوات واخوت آج کی نفرت کی دنیا میں کیسا افادی پہلو رکھتا ہے۔ اظہر من الشمس ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں عمل کرنے والے کرتے ہیں۔

اسی عظیم المرتبت شخصیت نے جب کفر اور اس کے متعلقات کا پوری طرح جائزہ لیا تو اپنی تبلیغ کے اس نے بھی وہی طریقہ اپنایا جو غیر مسلموں میں مروج تھا۔ یعنی غیر مسلموں میں بھجن، کیرتن گائے جاتے تھے۔ اور اس ہی گانے میں لوگ دنیاو مافیہا سے بے خبر ہوکر اس قدر محو ہو جاتے تھے کہ دوسرا کوئی خیال باقی نہ رہتا تھا۔ اس لئے حضرت غریب نواز نے پیغام توحید کو وقت کے رواج کے تحت اسی طرح پیش کیا۔ اور اس کو اصطلاح صوفیہ میں سماع کہتے ہیں۔ لوگوں کی ذہنیتوں کو آپ نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا اس لئے آپ کا یہ طریقہ کامیاب رہا۔ اب جو شخص سماع اور اس کی باریکیوں سے واقف ہوا اس کا فن شاعری سے بھی تھوڑا بہت آشنا ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے شاید حضرت صاحب نے موجودہ دیوان تصنیف فرمایا ہے۔ مگر مستند حالات کے مطالعہ کے دوران کوئی چیز ایسی نظر سے نہ گذری جس سے اس رائے کی تصدیق ہو سکے اس لئے مستند تبصرہ نگار اس مسئلہ میں خاموش دکھائی دیتے ہیں۔ اب اگر یہی بات صحیح ہے اور اغلب یہ ہے کہ یہ ہی درست ہے تو پھر یہ دیوان کیسا؟ اور دیوان بھی وہ دیوان جس کا ہر مصرعہ عشق الہٰی کا آئینہ دار اور پھر ہر غزل کا مقطع غریب نواز کے نام کا حامل؟ یہ معمہ اس صورت حل ہو سکتا ہے کہ ہم حضرت کے معتقدین

کی طرف توجہ کریں اور ان کے بڑھتے ہوئے والہانہ اعتقاد کو دیکھیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بزرگ حضرت کی تعلیمات کا گرویدہ عاشق صادق اس دیوان کو تصنیف کرنے والا ہے جس نے یہ مختصر دیوان جو بلند وا رفع پاکیزہ خیالات کا نچوڑ ہے تصنیف کر کے حضرت کے نام سے منسوب کر دیا ہے سارا دیوان پڑھ جایئے کوئی لفظ مبتذل یا کوئی مصرعہ مضمون کے اعتبار سے کمزور نہ دکھائی دے گا اس لئے یہ کوشش کامیاب کوشش ہے اور اگر اس کو عقیدت کی معراج کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

مجھ جیسا گنہ گار انسان جب غریب نواز کی بارگاہ پر حاضر ہوا تو غائبانہ عقیدت کے دریا میں ایک جوش پیدا ہوا۔ وہاں سے واپس آکر طبیعت میں ایک تغیر پیدا ہوا اور خیالات میں پراگندگی کے بجائے سمٹاؤ پیدا ہوا۔ اس لئے سوچا یہ کہ کیوں نہ دین کی خدمت کے لئے ان کتابوں کو شائع کیا جائے جو بزرگوں سے متعلق ہیں۔ اتفاق سے اپنے ہی دارالمطالعہ میں کچھ ایسی کتابیں دستیاب ہوئیں جن کو از راہ عقیدت میں نے پورے اہتمام سے چھاپا۔ "فوائد الفوائد" کا اردو ترجمہ اسی زنجیر کی پہلی کڑی ہے۔ اس کے بعد دیوان غریب نواز کی کتابت شروع کرائی اور ساتھ ہی ساتھ خواجہ قطب صاحب اور بڑے پیر صاحب کا دیوان بھی کتابت کو دیا۔ خدا کا شکر ہے یہ سب کتابیں دور کتابت سے گزر کر طباعت کے دور میں آگئی ہیں ۔ یہ سب ان ہی بزرگوں کا کرم ہے ـــــ مگر اس منزل تک پہنچنے میں مجھے جن جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے میرا ہی دل جانتا ہے۔ مسودہ کی درستگی نے دماغ کو ہلا کر رکھ دیا پھر بھی یہ درستگی میرے دل کو

نہیں چھپکی۔ اس کے بعد کتابت میں کیسی کیسی نازیبا حرکات کاتبوں کی برداشت کی ہیں یہ میرا ہی دل جانتا ہے۔ پیشگی رقومات کتابت کے لئے دیں اور کاتب بھی ایسے لئے جو بظاہر عقیدت مند معلوم ہوتے تھے، مگر ہندوستان کے بعض خطے بدقسمتی سے پست فطرت کے حامل ہیں۔ اسی لئے رقمیں قبل از وقت وصول کیں اور آٹھ دن کا کام دو ماہ میں کیا اور پھر احسان جتایا الگ۔ اسی سلسلہ کا اور دیوان جو زیادہ صحیح تھا ایک باہر کے کاتب کے سپرد کیا۔ آدمی اجلے پوش شریف تھے اس لئے میں نے ان کا دل بڑھانے کے لئے مقررہ اجرت کتابت کے علاوہ بھی ان کو دیا۔ اور مقدمہ نویسی کی سعادت بھی ان ہی کے لئے موقوف کی۔ بہت مختصر مقدمہ لکھا جو صرف حضرت کے حالات پر مشتمل تھا۔ اس مقدمہ کو انہوں نے بہت اہم سمجھا اور مجھ سے تیس روپے اس کی اجرت طلب کی۔ یہ کام حضرت کا تھا اس لئے میں نے رقم تو ان کو دیدی مگر خریدا ہوا مقدمہ دیوان کے ساتھ منسلک کرنا نامناسب سمجھا اس لئے وہ مصنف کو واپس کردیا۔ یہ ہیں عقیدت و شرافت کی وہ جیتی جاگتی تصویریں جن سے بزرگوں کے نام کو اور ان کے کام کو فائدہ پہنچنے کی امید تھی۔ مجھ پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ کچھ دن میرا دماغ ماؤف سا رہا کہ جب نورانی صورت والے انسان اپنی عقیدت کو فروخت کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو پھر دنیاداروں کا تو ذکر ہی کیا، اسلام کی بھی خیر نہیں۔

اب یہ تو ایک واقعہ ہے ورنہ مجھے بارہا ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے جنہوں نے ہر قدم پر مذکورہ قسم کی مبتذل حرکات کرکے میرے ارادوں کو ڈگمگایا

ہے مگر یہ صرف خواجگان کا کرم تھا کہ یہ کام مکمل ہوا۔ اب میری کوشش دیکھ لیجئے۔ کاتبوں کی سرد مہری دیکھئے۔ علم والے حضرات کی خود فریبی دیکھ لیجئے اور اس بڑے کام کی تکمیل آپ کے سامنے ہے۔

آپ اس دیوان کو پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کریں تو سبحان اللہ ورنہ تبرکاً بطور اپنے پاس رکھئے۔ اس میں اغلاط ہیں۔ ان کو کچھ تو میں نے ڈھونڈتے ڈھونڈتے درست کر دیا ہے۔ کچھ کاپیاں جن صاحب نے دوسرے دیوان کی کتابت کی ہے انہوں نے اجرت لے کر دیکھی ہیں جن سے میں مطمئن نہیں ہوں۔ لیکن انشاء اللہ پروف پڑھتے وقت ان پر میری نظر ہوگی۔

موجودہ دیوان ایک دنیادار کاتب سید اشہد علی صاحب لکھنوی نے لکھا ہے اس دنیادار کاتب کی دنیاداری پر دین دار کاتب صاحب کی علم دانی اور عقیدت قربان کی جا سکتی ہے۔ انہوں نے انتہائی محنت سے یہ کام کیا ہے۔ مقررہ اجرت لی ہے مگر دیر ضرور کی ہے، پھر بھی ان حضرت نے جو کچھ لکھا ہے اس لائق ہے کہ اس کی قدر کی جائے۔

اب مطبع والوں کی ناز برداری باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بھی عہدہ برآ فرمائے۔ اب تو خدا گواہ ہے اس کتابی دنیا سے یعنی طبع و نشر کے کاروبار سے دل ہٹ گیا۔ ورنہ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ پڑھنے والے پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ خریدنے والے خریدیں یا نہ خریدیں میں اپنی زندگی اسلامی مطبوعات کی نذر کر دوں گا۔ مگر افسوس کہ اس سعادت سے مجھے محروم کرنے والے کمر باندھے ہوئے بد دیانتی احسان فراموشی کو گلے لگا کر دنیاوی زندگیاں

پُرعیش بنا رہے ہیں۔ خدا ان کو نیک توفیق دے۔ آمین۔ مگر میری ہمت شکستہ ضرور ہو گئی۔

غلام الاولیاء مسلم احمد نظامی
۳۰ مئی ۱۹۵۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ربود جان و دلم را جمالِ نامِ خدا
نواخت تشنہ لبان را زلالِ نامِ خدا

وصالِ حق طلبی ہمنشینِ نامش باش
یہ بین وصال خدا اور وصالِ نامِ خدا

میانِ اسم و مسمی چو فرق نیست بہ بین
تو در تجلیٔ اسما کمالِ نامِ خدا

یقین بدان کہ تو با حق نشستۂ شب و روز
چو ہمنشین تو باشد خیالِ نامِ خدا

ترا سزد طیران در فضائے عالمِ قدس
بشرطِ آن کہ بہ پرّی ببالِ نامِ خدا

چو نامِ او شنوم گر بود مرا صد جان
فدائے اوست بعز و جلالِ نامِ خدا

معین زگفتنِ نامش ملول کی گردد
کہ از خداست ملالت ملالِ نامِ خدا

ما طلبگارِ تو ایم و تو گریزانی ز ما
ما بسویت مقبل و تو ردی گردانی ز ما

ما برون از شش جهت وصد جهت جویانِ تو
چند خود را هر طرف مشغول گردانی ز ما

هر کجا خواهی شدن ما با تو هم ای بیخبر
ما نمی مانیم از تو گر تو بی مانی ز ما

ما چو بحر و تو چو ابری بار ما کش غم مخور
باغ را خندان کنی گر چند گریانی ز ما

گفتمش تا چند در پرده نهان خواهی شدن
وقتِ آن آمد که دیگر رو نه پوشانی ز ما

گفت من بی پرده ام گر پرده بینی آن توئی
تا تو هستی در هزاران پرده پنهانی ز ما

چون توئی پیشت حقیقی چند نامِ این و آن
این وجودِ عارضی باشد که بستانی ز ما

گفته‌ئی چشم ز مرآینه ظاهر شد معین
من چه گویم سرگذشته چون خودی دانی ز ما

دلا بحلقهٔ رندانِ بزم عشق درآ
که جرعهٔ ز شرابِ بقا دهند ترا
بیاد هر دو جهان را بششدر اندر نه
درین قمار بیک داو هر چه هست درآ
اگر بقا طلبی اولت فنا باید
که تا فنا نشوی ره نمی بری به بقا
تو بازِ شاهی و از دست شاه بپریدی
بغیر شاه مکن میل و سوی شه باز آ
ز ظلمتِ بشریت چو بگذری برسی
ازین حضیض دنائت بر اوجِ او ادنی
براقِ عشق برائے تو صد قدم طی کرد
تو هم مضائقه بگذار و یک قدم پیش آ
تو چند در طلبِ یار در بدر گردی
به خود نگر که توئی مظهرِ همه اسما

بایں مبین کہ تو خاکی و خاک تیرہ بود
بایں نگر کہ تو آئینۂ جمال نما!
سحابِ عشق چو بارانِ شوق می بارد
عجب مدار گر از خاک بشگفد گلہا
نقاب ہستیٔ خود را تو از میان بردار
دگر ببین کہ جمالِ کہ میشود پیدا
بگیر مصقلۂ عشق و زنگ تن بزدائے
بہ بین در آئینۂ جان جمال جان را
بکوش تا کہ ز چشمت غبار برخیزد
کہ تا معائنہ بینی ظہور نورِ خدا
اگر تجلیٔ نور قدم ہمی خواہی
معیّن نقاب حدث واز جمالِ خود بکشا

هر که روزی یک قدم برداشت اندر راه ما
عاقبت ره بُرد سوی بزمِ عشرت گاهِ ما

آفتاب از اوجِ عزت رخ نهد بر خاکِ پاش
هر که بر رویش نشیند گرد از درگاهِ ما

بردو انداسپِ همت بر فرازِ نُه سپهر!
هر گدائی کو نهد رخ بر بساطِ شاهِ ما

یک نشان با من بگوئی از رهروانِ راهِ عشق
تا مگر باشد براه آید دلِ گمراهِ ما

پردهٔ هستی اگر سوزی بنارِ لا اله!
آن زمان بی پرده بینی نورِ الا اللهِ ما

جان برافشاندن بیادش از خدای خواست دل
شد بحمد الله میسر عاقبت دلخواهِ ما

بر دلِ غافل کجا تابد فروغِ مهرِ دوست!
مهبطِ آن نور نبود جز دلِ آگاهِ ما

من ازان ترسم که سوز دبالہائے قدسیاں
شعلۂ گر برفلک تابد زسوزِ آہِ ما!
در شبستانِ بدن نور رخش مطلب معین
عالمِ جان بین منور از فروغِ ماہِ ما

زپیش خویش برافگن نقاب دعوی را
ببین بکسوتِ صورت جمال معنی را

بزن بسنگ ملامت زجاجهٔ ناموس
به کوی عشق بریز آب روی تقوی را

چو هشت باغ جناں خوشهٔ ز خرمن ماست
به نیم جو نه خرم کشت زارِ دنیا را

بحقِ او که بکونین چشم نکشایم
که تا نخست نه بینم جمال مولی را

ز برگ برگ درختِ وجود خوش شنودم
رموز عشق که گفت   خت موسی را

اگر ز آتشِ عشقت بسوختم چه عجب
که کوه تاب نیاورد یک تجلی را

معین به چشم خرد حسن دوست ننماید
ببین بدیدهٔ مجنون جمال لیلی را

اے زشرمِ روی ماہت در عرق غرق آفتاب
وز فروغِ ماہِ رخسار تو مہ اندر نقاب

آفتاب از خاکِ راہت یافت حشمت لاجرم
در فضائے آسمان زد خیمۂ زرین طناب

گر ز انوار رخت یک شعلہ تا بد بر فلک
از حیا مستور گردد آفتاب اندر نقاب

نورِ حقیقت آن مجسم گشتہ در ذاتِ نبیؐ
ہمچو نورِ ماہ کز خورشید کرد ست اکتساب

نقرہ جنگِ چرخ را از مہ کشد زرین لگام!
در شبِ اسرا چو آرد پائے ہمت در رکاب

از فلک بگذر کہ فوق العرش منزل گاہ اوست
چون کند عزمِ سفر اے خواجۂ عالی جناب

سرِ ما اوحیٰ نگنجد در ضمیرِ جبرئیل
کشفِ اسرارِ لدنی کی کند اُمُّ الکتاب

در مقامِ لِیْ مَعَ اللّٰہ از کمال اتصال
از خدا نہ بود جدا ہمچون شعاع از آفتاب

از محمدؐ دیدہ باید فرض کردن در بہشت
چونکہ بیرون آید انوارِ تجلی از حساب

یا رسولؐ اللہ شفاعت از تو میدارم امید
با وجود صد ہزاران جرم در روزِ حساب

اندران روز یکہ بہر انتقام عاصیان
آتشِ دوزخ برافروزد علم از التہاب

در خیالِ من نمی گنجد تمنائے بہشت
دارم از فضلت امیدِ رستگاری از عذاب

ہر چہ خواہی با معینی بیش برا زمہر و لطف
لیکن از درگہ مران واللہ اعلم بالصواب

بگوش جان من آمد ندائے عالمِ غیب
زخوانِ وصل شنیدم صلائی عالمِ غیب
به باغ قدس تماشا خوشست اگر خواهی
برآب منظرۂ دل کشائی عالمِ غیب
به بحرِ قلزمِ وحدت کند شنا ور زہی!
ولیکه گشت بجان آشنائی عالمِ غیب
دلاز مطلع غیبے بتافت نورِ ظہور
گرفت کون و مکان راضیائی عالمِ غیب
جمال شاہدِ جان بین ورائے پردۂ خاک
چنانکه نورِ خدا از ورائی عالمِ غیب
مشامِ روح مروّح کن از روائحِ قدس
زنفحۂ نفسِ عطرسائی عالمِ غیب
ندائی عالمِ غیب ار زحق نمی شنوی!
شنو زلفظ پیمبر صدای عالمِ غیب

ترا بہ حضرت عزت ہمی نماید راہ
محمدؐ عربی رہنمائی عالمِ غیب
براوجِ طارمِ قدس آمد از نشیمنِ خاک
نہاد بزمِ طرب در فضائی عالمِ غیب
نشست بر پر جبریل و بالِ اسرافیل!
کہ تا رسید بخلوت سرائی عالمِ غیب
چو شد ندیم سراپردہ گفت جبرئیلش!
کہ ہین بگوی محمدؐ ثنائی عالمِ غیب
چو او نمود بعجز اعتراف لا احصیٰ
ثناش گفت بقرآن خدائی عالمِ غیب
زدود جامِ دل از صیقلِ محبتِ پاک
بدید نور خدا در صفائی عالمِ غیب
عروج نیست میسر براوج اَوْ اَدْنیٰ!
مگر بہ پیروئ مقتدائی عالمِ غیب

زشاخِ سدرہ برآرد صفیرِ نغمۂ عشق!
چو بلبلے کہ بود خوشنوائی عالمِ غیب
معین چو طائرِ قدس از قفس رود بیرون
گہی کہ در سرش افتد ہوائی عالمِ غیب

خزینہاست مرا پُر ز نقدِ علم و ادب
کجاست آہِ سحرگاہ و نالۂ دلِ شب

مباش تشنہ لب اندر بوادیٔ عصیان
کہ بحرِ رحمتِ ما موج میزند برلب

ظہورِ نورِ ربوبیت از برائے تو شد
ازان زمان کہ ترا گفتہ ام اَلَستُ بِرَب

تو بندۂ من و من ربِ تو بجشن بس ست
زما درو پدرت چون کنیم قطع نسب

ہزار دام کشادم کہ کردہ ام صیدت
گرت کنون بربایم ز دامِ خود چہ عجب

ہزار بار جوابِ تو گفتہ ام لبیک!
بدان امید کہ یکبار گوئیم یارب

نظر بہ رحمتِ ما کن مخور فریبِ عمل
چو شد پدید مسبب معطل ست سبب

جمال ذات به حسن صفت بیارایم !
حجاب برفگنم بس بگویمت فارغب
مرا مجو که نیابی بباغ عالم قدس
درون سینهٔ سوزان عاشقان به طلب
بوقت درد و طلب لطفهائی من دیدے !
قیاس کن که چه بینی بوقت عیش و طرب
معین ز نام و نشان در گذر که در رهٔ عشق
غلامی سگ کویش ترا بس ست لقب

عالم نمی از رشحۂ بحرِ کرمِ اوست
آدم کفِ خاکی ز غبارِ قدمِ اوست

آدم شدہ بیدار و ہنوز او بشکرِ خواب
شاباش وجودیکہ طفیلِ عدمِ اوست

عیسیٰ کہ چو خورشید زند خیمہ بر افلاک
در آرزوئی سایۂ عالی علمِ اوست

دُر در شکمِ بحر نہانست و دلِ او!
دُریست کہ صد بحر نہان در شکمِ اوست

ہر بندہ کہ دارد خطِ آزادیِ دوزخ
آن بندہ غلامِ وی و آن خط رقمِ اوست

شادیِ جہان کرد فدای غمِ امت
دانست کہ شادیِ جہانی بہ غمِ اوست

چون دید کہ نیکی و تو کم بود بدی بیش!
زین واسطہ دانم کہ غمِ بیش و کمِ اوست

جانم کہ طپد ہر نفس از بہر وصالش!
موقوف بُرون آمدن دم بدم اُوست
داریم امیدی کہ نپرسند بہ محشر
تقصیر معینی کہ بنا بر کرم اُوست

توئی که جز تو ترا خود حجاب دیگر نیست
بغیر نور رخت را نقاب دیگر نیست
توئی معرف خود لاجرم بدیہی گشت
که در تصور تو اکتساب دیگر نیست
رموز عشق ز لوح دلم مطالعہ کن!
کہ حل نکتۂ عشق از کتاب دیگر نیست
شہودِ حق طلبی از وجود خود بگذر!
کہ جز وجودِ تو او را حجاب دیگر نیست
ز قشر تن بگذر در لبابِ جان بنگر
دران لباب عجب گر کتاب دیگر نیست
بمرد زاہد ما در خمار خمرِ بہشت!
گمان برد کہ جز آن می شراب دیگر نیست
چو محو تست معین نامِ او چہ می پرسی
کہ جز خموشیش اکنون جواب دیگر نیست

این چه نورست که بر کون و مکان تافته است
نورِ عشقست که از مطلعِ جان تافته است
عشق مانند همائیست که از اوجِ شرف
سایهٔ دولت او بر دو جهان تافته است
تو درونِ دل و بوئ تو ز خود می شنوم
نکهتِ عطرِ تو بر غالیه دان تافته است
بهر نا دیدن خفاش نگردد پنهان
آفتابے که ز هر ذره عیان تافته است
خواست خیاط قضا خلعت خاصی دوزد
رشتهٔ ما و ترا بر هم ازان یافته است
عکس رخسار تو در دیدهٔ گریان منست
هم چو خورشید که در آب روان تافته است
شعله زد آتش دل از نفسِ سوزانم
آه ازین سوز که بر کام و زبان یافته است

بر سرِ راہِ طلب عاقبت آریم بکف
دولتی را کہ ز عشاق عنان تافتہ است
بزم خاص است معین بادۂ وحدت پیش آر
ہان کہ مستی تو برمجلسیان یافتہ است

چشم بکشائی که آفاق پر از نور خداست
خالی از نور خدا در همه آفاق کجا است

معنئ کز نظر خلق نهان بود مدام
نیک بنگر که نمودار ازین صورت ماست

آن جمالے که نظر نیز دران محرم نیست
هم چو خورشید درین آئینهٔ ما پیداست

گفتمش چند بود حسن تو پنهان گفته
حسن پیداست ولی دیدهٔ بیننده کراست

سبک آ از خود و از هر طرفی بهره مجوی!
که کششها همه در جاذبهٔ کاه رباست

طبل عشقست که در کون و مکان می گونید
پنبه از گوش برون کن بشنو کین چه صداست

شد معین با تو بخلوتگهِ وحدت محرم
تاکه از هستی و از نیستی خویش جداست

مستم امروز از آن باده که در جامِ دلست
تا ابد چاشنیٔ عشقِ تو در کامِ دلست

تشنگیِ دل از آن نیست که یابد تسکین
که همه جوئیِ بهشت است که یک جامِ دلست

تن پرستی ست که میلش به نعیمِ دو جهانست
جامِ دیدارِ خدا وعدهٔ انعامِ دلست

اضطرابِ دلم آرام نگیرد به بهشت
دیدنِ روی دل آرامِ من آرامِ دلست

میرود هر نفس از دل بخدا پیک دعا
قدسیان را به فلک گوش که پیغامِ دلست

چون دل از عالمِ پاک آمده در کشورِ خاک
هم بآنجا رود آخر که سرانجامِ دلست

از تو تا دوست گر از عرش بود تا ثیری!
از کم و بیش میندیش که یک گامِ دلست

سرکشی چون کند آن تن کہ دلش گشت سوار
توبہ بین نفس جموح ست و لی رامِ دلست

ظلمتِ غارِ بدن گشتہ حجابت ورنہ
تابشِ نورِ خدا بر در و بر بامِ دلست

طائرِ عشق کہ از کون و مکان آزادست
مرغ زیرک صفت آویختہ در دامِ دلست

خطبۂ سلطنت و سکۂ دولت کہ زدند
تاجداران ملائک ہمہ بر بامِ دلست

نکتۂ عشق کہ بر لوح بیان ثبت نیست
بر معینی ہمہ معلوم بہ اعلامِ دلست

آتشی افروخت عشق وجسم وجانِ من بسوخت
گفتم آہی برکشم کام وزبان من بسوخت

آتشِ دوزخ ندارد تابش روزِ فراق
آه ازین آتش که پیدا ونهانِ من بسوخت

نار دوزخ گرچه سوزد پوستهائے عاصیان
آتشِ ہجرانش مغزِ استخوان من بسوخت

نعمتِ ہر دو جہان با عافیت می خواست دل
آتشِ عشق آمد و ہر دو جہان من بسوخت

دنیا وعقبیٰ برفت وعشق مولیٰ ماند بس!
سطوتِ نورِ تجلے این وآنِ من بسوخت

اہل عقبیٰ سود برد وطالبِ دنیا زیان
گرمی بازار او سود وزیان من بسوخت

تشنۂ دیدار یارم در بیابانِ طلب
کاتِش این تشنگی روح وروان من بسوخت

چون نشان بے نشانی در رہِ گمنامی ست
برقِ استغنا از ان نام ونشانِ من بسوخت

چونکہ در مرآت جان دیدار جانان شد عیان
ظلمتِ تن در ظہور نور جان من بسوخت

صد ہزاران پردہ بود اندر میان ما ودوست
جملہ از یک شعلۂ آہ وفغانِ من بسوخت

گر معینی بیش ازین گفتی ز حسنش شمّۂ
این زمان نور رخش شرح وبیان من بسوخت

آتشی آمد پدید و جسم و جان یکسر بسوخت
دل درون سینه ام چون عود در مجمر بسوخت

سوخت جسم و جانم ای محرم خدارا باز پرس
کین چه آتش بود کز وی جمله بحر و بر بسوخت

اینچه آتش بود کامد حاصل از مقداح غیب
کین همای عقل را در اوج فکرت پر بسوخت

اخگری می بود پنهان زیر خاشاک وجود
عاقبت یک شعله زد مجموع خشک و تر بسوخت

من ز دیده ریختم آبی که بنشیند علم!
اشک خون آلود بود و آتشم بهتر بسوخت

خواستم آهی زنم شاید که سوزم کم شود!
در تنم آتش فتاد و بر فلک اختر بسوخت

خلق گویندم معین این رمز بر منبر مگوی!
آه کین آتش هزاران واعظ و منبر بسوخت

کسے کہ عاشق و معشوق خویشتن ہمہ اوست
حریف خلوت و ساقی انجمن ہمہ اوست
اگر بدیدۂ تحقیق بنگری دانی !
کہ ناظر دل و منظور جان و تن ہمہ اوست
چون اندر آئینۂ دل فتاد عکس رخش
چنان نمود کہ در جسم و جان من ہمہ اوست
اگر تو خرقۂ ہستئ خویش پارہ کنی
نظر کنی کہ درین زیر پیرہن ہمہ اوست
ز جام عشق نہ منصور بیخود آمد و بس
کہ دار نیز ہمی گفت با رسن ہمہ اوست
کہ بر دیوئے دقرین ساخت با اُوَیسِ قَرَنْ
سوئ مدینہ کہ آورد از قرن ہمہ اوست
رموز عشق کند آشکار و نندیشد
چو دل بدید کہ در سرِ درعلن ہمہ اوست

مگو کہ کثرتِ اشیا نقیضِ وحدتِ تست
تو در حقیقتِ اشیا نظر فگن ہمہ اوست
تعین ست گر از اعتبار ما و منست
ز اعتبار گذر کن کہ ما و من ہمہ اوست
چو نائی کہ نہد بر دہان نی لب خویش
نہادہ بر دہن عاشقان دہن ہمہ اوست
چہ جائے بادہ و جام و کدام ساقی مست
خموش باش معینے و دم مزن ہمہ اوست

یارب این صورت که در مرآت جان پیداست کیست
آنچنان حسنی درین پرده نهان پیداست کیست

ذرّه ذرّه نیست خالی در همه کون و مکان
وان که بیرونست از کون و مکان پیداست کیست

آفتابی در لباس ذرّه هائے مختلف
نور دیگر می فرزد هر زبان پیداست کیست

گر بظاهر در لباسِ ما توئی پیدا ایک
آنکه پنهانست اندر مغز جان پیداست کیست

آنکه اندر بزم جان هر دم بآواز دگر!
می نوازد پردهٔ صاحب دلان پیداست کیست

آنکه خود بر خود تجلی می کند پس خود بخود
عشق می بارد بنام عاشقان پیداست کیست

چند هر ساعت من و تو درمیان آری معین
آنکه مقصود از من و تست ازمیان پیداست کیست

نام او می بردم اول تا چنان شد عاقبت
که چو شیر اندر رگِ جانم روان شد عاقبت

یاد او با جان چنان آمیخت کز فرطِ طلب
یاد او گشت او در جان نہان شد عاقبت

خلق می گفتند یادش تا جنون خواہد کشید
این سخن باور نکردم تا چنان شد عاقبت

مدتی دل را توقع بود زان لب شربتی
آرزوئی دل بکامِ عاشقان شد عاقبت

آنکہ اندر پردۂ عصمت گہی مستور بود
پردہا افگند و رسوائی جہان شد عاقبت

رشتۂ جانِ مرا بگسیخت مقراضِ فراق
نا امیدِ وصلِ تو پیوندِ جان شد عاقبت

ہر دلی کز بی نشان می خواست تا یابد نشان
چون معیّن در بی نشانی بی نشان شد عاقبت

در رہِ عشق توام درد تو ہمراہ بس ست
مونسِ خلوتِ دل آہِ سحرگاہ بس ست

رہ مخوفست و شب مظلم و دشمن بہ کمین!
رہبرم نورِ توکلت علی اللہ بس ست

در حریمِ حرمِ خاص گرت رہ ندہند
ہمت از دور زمین بوسی درگاہ بس ست

حُسنِ ساقی بہ تو بے پردہ اگر جلوہ نکرد!
عکس افتاد بجامِ دلِ آگاہ بس ست

چون من القلب الی الرب نکشادند درے
پا بدامن کش و بنشین کہ ہمین راہ بس ست

حشم عقل بزیرِ علمِ عشق در آر!
در سپاہی کہ ہزار اند یکی شاہ بس ست

ہمچو خورشید مکن جانبِ ہر ذرّہ نگاہ
زانکہ در وسعتِ دل منزلِ یک ماہ بس ست

تو نکو خواه وی و جنت وصل آن تو شد
و اتش هجر نصیب دل بدخواه بس ست

گر مطیعان همه طاعت بر دست برند
ای معین بدرقهٔ آه تو یک آه بس ست

مزارِ عشق تو در دیست در دل مجروح
که گر چه شرح دهم هم نمی شود مشروح

فتوح عالمِ غیبی همی کنند نثار
گهی که درگه میخانه می شود مفتوح

صباح روز ازل ساقیٔ الست چه گفت
اَبا فَرِیقَ سُکَارَ اتِها درُوا الصَّبوُح

چه جرعه هاست که بر خاک تن نمی ریزد
ز بادهٔ که دلم می کشد ز ساغر روح

سوار کاری میدان چرخ می سزدت
اگر ز دست نمائی لگام نفس جموح

فَنُورُ وَجهِ حَبِیبِی بَعدَ مَا طَلَعَت
بِلَا مَظَاہِر آیاتِہٖ تَکَا وَ تَلُوُحَ!

معین به عشق دهد جان بگیر عیب که مور
برد به پیش سلیمان بخور و خویش فتوح

ای از ظهورِ نورِ تو کون و مکان پدید
از عرش تا بہ فرش ز نورِ تو آفرید
شمس و قمر مگوی کہ انوارِ انبیاء
اندر ظہورِ خویش ز نورِ تو مستفید

بر روئی ہر کہ بستہ سعادت درِ عطا
وقتِ دعا سپردہ بدربانِ تو کلید
شد در قیودِ شیطنتش گردن استوار
از ربقۂ متابعتت ہر کہ سر کشید

جان کز بدن چو آہوئے وحشی رمیدہ بود
بر بوئی مشک نافۂ زلف تو آرمید
تو بحرِ رحمتئے و من آلودۂ گناہ
پاکم بشوئی ای ز تو پاکئ ہر پلید

ہر دیدہ را تحملِ دیدارِ دوست نیست
جز دیدۂ کہ وام کنند از تو اہلِ دید

از جامِ صافِ عیش کسے چاشنی گرفت
کز خُمِ عشقِ دُردیِٔ دردِ تو درکشید

زانم چہ غم کہ ہر نفسم عمر کم شود
چون مہرِ تست در دل و جان دمبدم مزید

خواہد معینؔ کہ حُسنِ تو بیند معائنہ
خرسند تا بکی شوم از گفت و از شنید

ای تو سلطان دار ملک وجود
همه عالم طفیل تو مقصود

مرکزِ محورِ وجود توئے!
که به تو قائم ست هر موجود

اول و آخرِ بجان و به تن
ظاهر و باطنے بحشمت وجود

مبدأت از کجا ست منه بدا
منتهیٰ تا کجا الیه یعود

زادلت نام از ان محمدؐ شد
کامُنتَت راست عاقبت محمود

گر مَلَک سر کشد ز خدمت تو
هم چو ابلیس می شود مردود

شدک جامِ جهان نمائے دلت
مظهرِ اسم شاهد و مشهود

جامِ جانت زدوده صیقل عشق
از برائی ظهورِ نورِ شهود
تا نموده زجامِ هستیٔ تو
هر چه بود ست وهست خواهد بود
می فرستد معین درود به تو
حق تعالیٰ زمن شود خوشنود

درجان چو کرد منزل جانانِ ما محمدؐ
صد در کشاد در دل از جانِ ما محمدؐ

ما بلبلیم نالان در گلستانِ احمدؐ
ما لولوئیم و مرجان عمّانِ ما محمدؐ

مستغرقِ گناہیم ہر چند عذر خواہیم
پژمردہ چون گناہیم بارانِ ما محمدؐ

از درد زخم عصیان مارا چہ غم چو سازد
از مرہم شفاعت درمانِ ما محمدؐ

امروز خونِ عاشق در عشق اگر بدر شد
فردا ز دوست خواہد تاوانِ ما محمدؐ

ما طالب خدائیم بر دینِ مصطفائیم
بر درگہش گدائیم سلطانِ ما محمدؐ

از امتانِ دیگر ما آمدیم برسر
وان راکہ نیست ما در برہانِ ما محمدؐ

ای آب و گل سرودے دی جان و دل درودے
تا بشنود به یثرب افغانِ ما محمدؐ
در باغ و بوستانم دیگر مخوان معنّیے
باغم بس ست قرآن بستانِ ما محمدؐ

اگر لباسِ حدوثم بدر کنی چه شود
هزار سرِ حقیقت خبر کنی چه شود

بکوئ خسته دلاتے کہ جان رسیده بلب
اگر برسم عیادت گذر کنی چه شود

کہ سر نهاد برین در کہ در کشاده نشد
شبی بصدقِ برین در بسر کنی چه شود

دلا جمال خدا چشم سر نمی بیند
اگر بریدۂ سر یک نظر کنی چه شود

گر اعتدالِ هوائ محبتش خواهی
هوائ خویشتن از سر بدر کنی چه شود

بگو بعقل کہ تا چند شش جهت گردی
جهات را همه زیر و زبر کنی چه شود

بگفتمش چه سفرها معین برائ تو کرد
بگفت یک قدم از خود سفر کنی چه شود

نگر فصلِ بہار آمد کہ عالم سبز و خرم شد
نگر وصلِ نگار آمد کہ دل با عیش ہمدم شد

بیا ہم چون خلیل امشب ز نارِ تن برون بنگر
کہ نورِ حق پدیدار از ہمہ ذرات عالم شد

ہزاران جام ہر لحظہ بکام دل ہمی ریزد
ازان دریا کہ یک قطرہ نصیبِ عرشِ اعظم شد

دلم را نالہ و افغان چو نی زان اصبعین آمد
کہ تقسیمم ز نے باشد صدا اگر زیر و گر بم شد

چو در دل درد میدان شہ ز روح خویشتن واللہ
ز غیب الغیب شد آگہ ولی کو حاضر دم شد

ملائک بہر یک قطرہ بماندہ چون صدف تشنہ
ہزاران بحر بے پایان نثار خاک آدم شد

دلِ بے غم ہمی خواہی دلِ غمگین بدست آرد
چو دل غمگین عشق آمد ز غمہا جملہ بے غم شد

اگر با یار خود باشی ترا دوزخ بهشت آمد
وگر بی یارِ خود مانی تراجنّت جهنم شد

الا ای ناصح عاقل صلاح از ما چه می جوئی
ترا شیخی نصیب آمد مرا رندی مسلّم شد

اگر باور نمی داری ز هستی سوی مستی رو
قدحهای خدائی بین که بر مستان دمادم شد

مگر آن ساقئ وحدت نقاب از رخ برافگنده
که جام و باده یکسان گشت و بحر و قطره درهم شد

مرا می گفت کای عاشق به معشوقی رسی آخر
بحمد اللّٰه که از عالم نه رفتم تا که آن هم شد

چو بحرِ عشق موجی زد سحاب جود باران شد
وجود واجب و ممکن مثال بحر و شبنم شد

ز هستی چون جدا گشتم حریم کبریا گشتم
چو من از خود فنا گشتم چه گویم هر چه گویم شد

معین را در صغر آنکس بمنبر در سخن آورد
که در گهوارهٔ طفلی قرین ابن مریم شد

چشم بگشائی که دیدارِ خدا جلوه نمود
دیده شو یکسر و بند دَرِ گفت و شنود

عکس رخسارهٔ ساقی بنمود از رخِ جام
هوش و آرام زمستانِ میِٔ عشق ربود

ساقیِ عشق مرا روز ازل باده چشاند
تا ابد هر نفسم مستیِٔ دیگر بفزود

یارب این مستیِ من زان میٔ بزم الست
یا ز هر لحظه بمن بادهٔ دیگر پیمود

دل چو آئینه حق آمد و صیقل غمِ عشق
ای خوش آن دل که میٔ عشق غبارش بزدود

آن دلی کز ظلماتِ بشری یافت خلاص
عکس انوار خدا بود در و هر چه نمود

عکسِ حقی تو و عکسِ تو در آئینهٔ جان
عکسِ عکس تو یقین دان که همان عین تو بود

بادہ صافست مپندار کہ رنگین شدہ است
آن زہم رنگئ جامست کہ شد سرخ وکبود

عشق در دار بقا زد بدلم روزنہ
تاکہ در تافت بقصر عدمم نور وجود

ذرۂ ہستی من از پی خورشید ازل
کرد ازین روزنۂ کن فیکون میل صعود

موج دریائ قدم شبنم امکان برداشت
شد نہان غیب وشہادت ہمہ در بحر شہود

از پس پردہ ہمی داد نشان از من وما
من وما رفت ہمو ماند چو برقع بکشود

اول وآخرم وظاہر وباطن ہمہ اوست
کہ ہمو بود وہموست وہمو خواہد بود

عشق بی پردہ ہمی باخت معین با رخ دوست
پیش از این کز من وما نام ونشان نیز نبود

این چه سوداست که اندر سرِ ما می جنبد
این سر رشته ندانم ز کجا می جنبد
جنبشِ رشتۂ عشق از طرف تُست ازل
میلت اندر دلِ عشّاق چرا می جنبد
کششِ تست که کوه الم از جائی ببرد
دل نہ کاہی ست که از باد و ہوا می جنبد
جنبشِ سایہ چو از جنبش شخص ست مدام
سایه از شخص مپندار جدا می جنبد
ہر کجا شاخِ گل ہست در اطرافِ چمن
ہمہ از تقویتِ بادِ صبا می جنبد
دست از دامنِ عشق تو نخواہیم گذاشت
بہ خدا تا رمقی در تنِ ما می جنبد
نخلِ عشق تو بباغِ دل خود شاند معین
بین که در صرصرِ غم ہیچ ز جا می جنبد

گر آهِ آتش یارِ من یک شعلهٔ بیرون زند
این آتشِ پنهان علم بر گنبدِ گردون زند

سرِ نهان پیدا شود کون و مکان یکتا شود
دل غرقِ آن دریا شود کو موجهای خون زند

ای دل تو مشکوٰة وی طغرای آیاتِ وی
آئینهٔ ذاتِ وی کس پیشِ تو دم چون زند

از خنده گر ریزد نمک بر ریش جان آید همه
وز غمزه گر خنجر کشد هم بر دلِ محزون زند

والله که در رگهای جان چون شهد و شیر آرد روان
لیلیٰ چو تیرِ امتحان بر سینهٔ مجنون زند

عشق اندرای لامکان زد خیمه اندر باغِ جان
از خلوتِ خاصی چنان کے تختِ خود بیرون زند

مفلس چو یابد گوهری پوشد زهر بد اختری
مسکین معین در هر درے زان لعلِ دیگر گون زند

مرادر دل بغیر از دوست چیزی در نمی گنجد
بہ خلوت خانۂ سلطان کسی دیگر نمی گنجد

درونِ قصر دل دارم یکی شاہی کہ گرگاہے
ز دل بیرون زند خیمہ بہ جبر و بر نمی گنجد

بصد رسندِ ہر دل خیالش کی زند تکیہ
کہ عہد کبریائی او بہر منظر نمی گنجد

تنت گر چند موئی شد حجاب جان بود وی را
میانِ عاشق و معشوق موئی در نمی گنجد

صفیر ہاتفِ غیبی بگوشِ مرغ جان آمد
کہ در اوجِ ہوائے عشق بال و پر نمی گنجد

نفیِ ذات خود بودن ز اثباتِ صفات اولے
ترا افسر چہ کار آید چو این جا سر نمی گنجد

حسابِ عمر صد عاقل بہ محشر بگذرد یکدم!
حسابِ عمر یک دم عاشق بصد محشر نمی گنجد

رموزِ عشق اگر خواہی ز لوحِ دل توان خواند
کہ حرفی از روایاتش بصد دفتر نمی گنجد

ز بحر عشق یک قطرہ ظہورِ سرِ منصور یست
بطرفِ ہمتِ عاشق ازین کمتر نمی گنجد

بآن جامی کہ من خوردم نہان کے ماند اسرارم
شراب عشق در جوش ست در ساغر نمی گنجد

معینی گر ہمی خواہی کہ سرش بر زبان رانے
مقام آن سر دارست بر منبر نمی گنجد

مگر صبا ز سر کوئ دوست می آید!
کہ از زمین و زمان بوئے دوست می آید

چہ رشکہاست کہ از یاد می برم ہر شب
کہ روئ او ز چہ بر وئ دوست می آید

ز کوئ دوست چو عاشق کشیدہ دار دلے
کمندِ شوق ہم از موئ دوست می آید

وفا چگونہ کند عقل و ہوش با منِ مست
چنین کہ جام ہیا ہوئ دوست می آید

ہر آنچہ آیدت از غیب نیک و بد منگر
ہمین بس است کہ از سوئ دوست می آید

ازین مصائبِ دوران منال و شادان باش
کہ تیر دوست بہ پہلوئے دوست می آید

بیا بوعظ معینے رموزِ عشق شنو!
کہ از حکایت او بوئے دوست می آید

فیض خدا کہ بر دلِ آگاہ می رسد
اے دل بہ ہوش باش کہ ناگاہ می رسد

بگذر ز فکر روزی و رزاق را شناس
بنگر چگونہ رزقِ تو دلخواہ می رسد

ای تشنۂ بوادیِ عصیان مبر امید
کامواج بحر رحمت اللہ می رسد

در باغِ جان شگفتہ شود صد گلِ مراد
وان نفحہ کز نسیم سحرگاہ می رسد

زد پیکِ عشق حلقۂ سحر بر درِ دلم
آورد مژدۂ کہ شہنشاہ می رسد

در شاہراہ سینۂ در افتاد غلغلہ
گفتند شاہِ عشق ازین راہ می رسد

گفتم چہ پیش کش کنمش پیکِ عشق گفت
ہین با خضر بیار کہ از راہ می رسد

یعنی شرابِ اشک و کبابِ جگر بیار
با آہ و نالہ کز دلِ اُو آہ می رسد

چون تحفہ پیش بردم و اندر برم کشید
مانندِ کہربا کہ پرِ کاہ می رسد

جائے کہ زاہدان بہزار اربعین رسند
مستِ شرابِ عشق بیک آہ می رسد

بی یار خود سفر مکن از ہیچ حد معین
تنہا مرو بباش کہ ہمراہ می رسد

واقف آنست کہ دل واقفِ اسرار شود
جائے آنست کہ جان طالبِ دیدار شود

گنج مخفی چو بہ بازارِ ظہور آمدہ است
عارف آن بہ کہ ز خلوت سوئے بازار شود

ہیچ دانی ز چہ زد خیمہ بصحرائے ظہور
تا رخش ز آئینۂ کون نمودار شود

وہ چہ دانم کہ درین واقعہ سرگردانم
چہ عجب گر جگرم ریش دل افگار شود

خلق گر بہر ظہور اند چرا محجوب اند
ہیچ دیدی کہ حجب موجبِ اظہار شود

چون حجابش منم آخر ز میان برخیزم
تا ہمو دیدۂ دہ بینندۂ دیدار شود

او در آئینۂ من چہرۂ خود می بیند
خود بدین واسطہ مطلوب و طلبگار شود

حاصل آنست که این مسئله بیجا هیچ است
درین سخن مشکل اگر راست به دشوار شود

از چه خود عارف خود آمده ما محرومیم
بس نهان از که ید و بر که پدیدار شود

قدرِ جوهر نشناسد مگر آن جوهرئے
که صدف بشکند و خود دُرِ شهوار شود

پردهٔ آب و گل از روئ دل و جان بردار
تا همه ظلمتِ هستئ تو انوار شود !

نیست اغیار که آئینهٔ یارند همه
تو ز آئینه رخش بین که همه یار شود

هر که در بزم بقا جام بقا نوش کند
دست در حبل انا الحق زده بردار شود

عکس رخسارهٔ ساقی چو فتد بر رخ جام
رو به میخانه کند زاهد و خمار شود!

هر کرا عقدۂ زلفِ تو در آرد بکمند
بگسلد رشتۂ تسبیح و بزنّار شود !

این چه رازست که از پرده برون می افتد
تا دلِ بے خبران واقف اسرار شود

یعنی آن لطف و عنایت که خداوند راست
چه عجب باشد اگر بنده گنهگار شود

چون بپرسیدن بیمار خود آئی سحری
تندرستان همه زین واقعه بیمار شود

تو بخوابی و سرت یار گرفته بکنار
چشم بختت بود آن روز که بیدار شود

هر که چون نقطہ نهد یک قدم از خود بیرون
اندرین دائره سرگشته چو پرکار شود

این همه بادہ کہ بر جان معین پیموے
دل سرمستش ازان نیست که هشیار شود

دگر کہ غمزۂ ساقی کرشمۂ فرمود !
کہ ہوش و صبر زمستان بزم عشق ربود

نہ عقل ماند نہ عشق و برفت ظلمت و نور
بسوخت آتش غیرت ہر آنچہ بود نبود

چو آفتاب محبت بتافت روشن گشت
کہ در برابر ہر ذرّہ آفتابی بود

چہ صیقلیست ندانم شراب وحدت خاص
کہ زنگِ غیر بکلّی ز جام دل بزدود

ز زنگ غیر چہ جامِ دلم مصفّے شد
ز ذرّہ ذرّۂ من نور حق جمال نمود

حدیث خود بزبانم براہل مجلس گفت
بگوش مستمعان راز خود ز خود بشنود

کشادِ کار معمّائی ز قبض و بسط مجوی
بیا کہ ساقی وحدت سر سبو بکشود

راه بکشائی که دل میل ببالا دارد
پرده برگیر که جان عزم تماشا دارد
باز دل کز شرف قصرِ ازل کرد نزول
باز پرواز کنا میل همان جا دارد

دلم از عین عدم رفته سوئے قاف قدم
صعوه زا بین که هوس صحبت عنقا دارد
من اگر خود نروم او کشدم جانبِ خود
هم ازان سلسلهٔ عشق که با ما دارد

گه بخود خواند و گاهی ز خودم می راند
آه ازین غمزه که با عاشق شیدا دارد
حسنش اندر پس صد پرده چنین جلوه گر ست
وای ز آن روز که آن چهره هویدا دارد

گرچه از جائی برونست ولیکن بخدا
که شب و روز درونِ دل ما جا دارد

عافیت چہرۂ دل دارعیان خواہد دید
ہر کہ آئینہ ز زنگار مصفا دارد
حسن آن ماہ چو خورشید پدیدست معینؔ
محرم آنست کہ او دیدۂ بینا دارد

شرابِ ساقی ما مستی از جائی دگر دارد
که از یک قطره جمعی راز عالم بے خبر دارد

نه از جام ست این مستی نه از خم و نه از باده
ولی در چاشنی گیری بران لبها گذر دارد

به پرّد عقل و دین از سر نه دل ماند نه جان در بر
اگر آن ساقی دلبر نقاب از روئے بردارد

بغیر عکسِ انوارِ جمالِ خود چه می بیند
نگارِ من که در آئینۂ جانم نظر دارد

نمی گوید که درویشم بیا یک لحظه در پیشم
نگاری کز پئ خویشم چو حلقه در بدر دارد

کند بندم جدا از بند و دیگر هم نه نوازد
دلم گر ناله دارد چو نی زین رهگذر دارد

چو طور از پرتوِ نورش دلم از مهر سر گردان
چه غم خورشید را گر ذره را زیر و زبر دارد

مبیند از از نظر زاہد مرا کین مفلس مسکین
گناہِ بیحد و طاعت بغایت مختصر دارد

چہ می دانے نوای غافل کہ شاید عاشق بے دل
مرادِ خویشتن حاصل بہ یک آہِ سحر دارد

سوئے جنت ہمی خواند مرا واعظ چہ پندارد
کہ عاشق میل جز معشوق خود جائے دگر دارد

کجا از مقصد صد قش بجنت سر فرود آید
کسی کاندر مقر عز جانان مستقر دارد

معیّنی سر وحدت را نیارد بر زبان دادن
مگر سرش قلم گوید کہ در عالم دو سر دارد

صدف چون بہر یک قطرہ بروئے بحر می آید
چرا لب تشنہ چندین گہ بقعرِ بحر می آید

صدف غرقست در دریا و دریا خود ازان بہ او
چو یابد قطرۂ دیگر دہانِ خویش بکشاید

صدف را تاب دریا نیست یا قطرہ ازان سازد
چسان اندر کشد بحری کسی کش قطرۂ یابد

صدف لب تشنہ در دریا لبالب بحر می جوید
بقطرہ میل ازان دارد کہ بوئے بحر می آید

صدف از قطرۂ باران عطش را می دہد تسکین
چرا کین آب دریائے حرارت را بیفزاید

چو قطرہ ہر کہ بیرون شد ز دریائی وجود آخر
بسوئے بحر خواہد شد اگر سر بر فلک ساید

بخار از بحر انگیزد شود ابر و فرو ریزد!
چو با دریا در آمیزد اگر دریا شود شاید

بحق او کہ در کسوت جمالش بہ توان دیدن
بشرط آنکہ زنگار از رخ آئینہ بزدآید

جمالِ دوست بے کسوت معیّنی کے توان دیدن
ہمان بہتر کہ در کسوت جمال خویش بنماید

گر پردهای آب و گل از جان و دل یکسو شود
از کسوت هر ذرهٔ مهر دگر بیرون شود

هر کس که اندر سیر او حق بود قصد رخبر او
یا بد وصال غیر او از زخم هجران خون شود

هر طالبی کانجا ز جان با عاشقان شد هم عنان
آنجا برد گوی از میان بر ملک افریدون شود

سیر براق عاشقان در هم نوردد آسمان
بر هم زند کون و مکان تا حضرت بیچون شود

امروز من بر بوی او سرگشته ام در کوی او
فردا که بینم روی او دانی که حالم چون شود

بوی زخم وحدتش ما را ز ما بیگانه کرد
یارب که ماند آشنا روزیکه می افزون شود

هر کس خورد رطل گران لا بد شود سرش عیان
اسرار وحدت آن زمان در سینه کی مکنون شود

من مست آن پیمانه ام وز لوی او دیوانه ام
لیلی اگر هم خانه ام گردد چو من مجنون شود

او ساقی دستنش منم پیمانه در دستنش منم
در وی نگاهی می کنم تا کی رخش گلگون شود

چون می رخش گلگون کند دل ناله را افزون کند
او را چو خود مجنون کند تا حال دیگر گون شود

معشوق ما عاشق شود عاشق بمعشوقی رسد
او چون سوئ عاشق رود هنگام ناز اکنون شود

مسکین معینی تاکنون در شام غم مانده زبون
ایے ماه گر آئ برون استانه اش میمون شود

روزیکه یار جام صفا پر ز می کند
عاشق دران وفا ز جفا یاد کی کند
ساقی اگر هزار شراب افگند بجام
عاشق همین مشاهدهٔ حسنِ وی کند
حسنی که بهر هر صفت آرد تجلئی
گر خاک مرده ست که فی الحال حی کند
اسرارِ عشق در دمد اندر نیٔ دلم
خود نغمها سراید و نسبت به نی کند
هر بیخودیکه مست خرامی کند رواست
کان عربده نه مست کند بلکه می کند
در وادیٔ طلب چو نهد پیک عقل پائے
دست قضا به تیغ فنا پاش پی کند
گر صد هزار نامه نویسد معیّن بجهد
مشکل اگر ز عشق تو یک حرف طی کند

هر کسی را در ازل رزقی مقدر کرده اند
وز برائی هر یکی کاری مقرر کرده اند

عشق را آمیزشی دادند با جان و دلم!
پیش ازان کاب و گلِ آدم مخمر کرده اند

عاشقان را زین پری رویان به زنجیر بلا
این چنین دیوانۂ زلف معنبر کرده اند

ای بسا دلها درون سینہ کاندر بزم عشق
ز آتش سوز فراقش عودِ مجمر کرده اند

ای بسا مردان ره کاندر طریق جستجو
چون عجوزان چادرا و بار بر سر کرده اند

رَبِّ اَرِنِیْ نی همین سر برزد از موسیٰ و بس
کین زمان هم طالبانِ از غیب سر بر کرده اند

لِلّٰه اے واعظا بجائے جنتم دعوت مکن
کین گدا را وعدۂ انعام دیگر کرده اند

ساقیِ باقی دهد در بزمِ جان جامِ طهور
هر دلی را کز غبارِ تن مطهر کرده اند

نی بکامِ دل همی گنجد نه اندر جام جان
باده کز بهرِ سرمستان بساغر کرده اند

پرتوِ نورِ شهود افتاد در قصرِ وجود
کز شعاعش حجرهٔ دل را منور کرده اند

یارب این معنی جان با صورتِ جانانِ ماست
آنچه از وی خانهٔ دل را مصور کرده اند

عکسِ نورِ ذات بر مرآتِ جان شد منعکس
زین مرا یائی که با حسنش برابر کرده اند

سربسر ذراتِ عالم مظهرِ انوارِ اوست
جمله را آئینه دارِ حسن دلبر کرده اند

جان ز مهرش عاقبت بیرون پرد زین دامِ تن
گرچه مرغِ روح را بی بال و بی پر کرده اند

جان کہ باشد تا کند عزم زمین بوسی ولیک
ذرّہ را سرگشتۂ خورشید انور کردہ اند

گرچہ شاہان را بہ تخت و تاج زینت می دہند
جلوۂ مسکین معین بر تاج و منبر کردہ اند

نفحهٔ عشق گر آن سوئی جهان می آید
بمشامِ دلم از عالمِ جان می آید

تازه شو، اے دل پژمرده که چون آب حیات
بحرِ جو دلیست که سوئی تو روان می آید

خیز اے عقل تو از چار سو و پنج حواس
که نگار من از آن راه نهان می آید

هم چه خورشید تماردی که ذرات جهان
از زمین تا به فلک چرخ زنان می آید

دل که با یار نشیند برت ای جان چه کند
بسکه از صحبت اغیار بجان می آید

این همه گل که به گلزارِ جمالت بشگفت
بلبلِ دل چه عجب گریه فغان می آید

آتشی هست نهان در جگرِ سوختگان
آه کان آتش پنهان بعیان می آید

زآتشِ غم که بکانونِ دل افروخته اند
یک زبانه ست که گاهی بزبان می آید

گرچه هر موی زبانی شود از سرِ نهان
بخدا گر سرِ موی به بیان می آید

رقمِ عشق کشیده است بطغرای وجود
هر چه اندر عدم آباد جهان می آید

هیچ کس نقطهٔ صفت خارج ازین دائره نیست
گرچه بیرون رود آخر بمیان می آید

هر چه از مکمنِ غیب آمده تا عالمِ خلق
هم چنانش که فرستاده چنان می آید

زاعتبارات تفاوت نکند اصلِ مراد
گر یکی کعبه و آن دیرِ مغان می آید

این چه سازست که در پردهٔ عشاق زوند
کز سماعش دل و جان رقص کنان می آید

حیف کین بی‌بصران تا به ابد بی‌خبراند
زانچه در دیدهٔ صاحب نظران می آید

دم گرم بنگر و ز سرِ تحقیق بدان !
کآتشی هست که دود از سر آن می آید

آتشِ عشق تو در جان مُحبّان افتادست
وز دمش بوئ دل سوختگان می آید !

چنان از روزن دل نور آن دلدار می تابد
که خورشید جمالش از در و دیوار می تابد
ازان از ظلمت تن میرهد جانم که هر ساعت
مرا از مطلعِ دل لمعۂ انوار می تابد
اگر از خوابِ غفلت سر برآری آن زمان بینی
که خورشیدِ تجلی بر دل بیدار می تابد
چه حسن دوست ظاهر شد دل از کونین فارغ شد
چو جان محو مؤثر شد رُخ از آثار می تابد
مسلمانی مرا عشق است اگر منکر نۂ بنگر
چگونه نور تصدیقم ازین اقرار می تابد
جمالِ یار می خواهی بذرات جهان بنگر
که هر ذره ست مرآتی کزو دیدار می تابد
مگر تاب آورد سر پنجۂ شیر تجلی را !
دلی کز عشق دستِ عقل دعوی دار می تابد

بنارِ عشق صوفی خرقۂ پشمین بسوز دیہ!
کہ از ہر موئے او صد رشتۂ زنّار می تابد

ز استغناش زخم لن ترانی می خورد موسیٰ
پس انوارِ تجلّی بر کہہ و کہسار می تابد

ز حسن دل ربائے ہر چہ می باید ہمہ دارد
ولیکن عاشقانِ خویش را بسیار می تابد

کجا گردد میسر فی الحقیقت ہوشیاران را
ہر آنچہ از سرِ مستی بہ دل خمّار می تابد

دلا اسرار مردان را مشو منکر کہ می ترسم!
شوی محروم از آن سرّ کہ بر اسرار می تابد

مکن باژ ندہ پوشان سر بزرگی کاہلِ دانش را
بزرگی از ورای جبۂ و دستار می تابد

سخن بشنو معینیؔ غم مخور از آتش دوزخ
کہ موسیٰ را جمالِ یار اندر تار می تابد

من چه گویم که مرا ناطقه مدهوش آمد
بر دلم ضابطۀ عقل فراموش آمد

سیل را نعره از آنست که از بحر جداست
وانکه با بحر درآمیخته خاموش آمد

نکته‌ها دوش دلم گفت و شنید از لب یار
نه که هرگز بزبان رفت نه در گوش آمد

شاهد غیب کشا دست نقاب از رخ خویش
تو نۀ محرم ازان بهر تو روپوش آمد

زاهد از کوی مغان پای کشیدی امشب
بقدم رفت درآن کوچه و بر دوش آمد

شب هجر تو که جان از بدنم کرد وداع
روز وصل تو دگر باره درآغوش آمد

سخن تلخ که چون می بلبت می گذرد
بر حریفان همه زهرست و مرا نوش آمد

چه گهرهاست کزین سینه برون می ریزد
بحرِ اسرارِ الٰهی ست که در جوش آمد
هر کرا هوش و قرارست میش ده ساقی
که معینی ز ازل بے خود و مدہوش آمد

عاشقان گرچه بصد پرده نهان آمده اند
با تو در مرتبهٔ کشف و عیان آمده اند

از ورای تتق غیب نمودی رخ خویش
کین اسیران بجمالت نگران آمده اند

مطربِ عشق تو چون پردهٔ عشاق نواخت
عاشقان نعره زنان جامه دران آمده اند

عاشقان مستِ جمالش نه که امروز شدند
هم چنانش که فرستاد چنان آمده اند

می پرستان پیٔ آن جرعه که برخاک فگن
مست در کوئی خرابات ازان آمده اند

عکس خورشید رخش تاخت چو برعرصهٔ خاک
اندرین دیرِ فنا ازپیٔ آن آمده اند!

بازاین روزنهٔ کن فیکون ذرّه صفت
سوی خورشید رخش چرخ زنان آمده اند

وه چه جائی تنِ خاکی که دران بزمِ وصال !

عاشقان از دل و جان نیز بجان آمده اند

عشق از لامکان نزول کند
در دلِ عاشقان نزول کند

رُفتِ دردی بده که شاهِ جهان
اندرین خاکدان نزول کند

جان شود جمله قالب خاکی
جانِ جان چون بجان نزول کند

گنج را چون خرابه می باید!
در دلت عشق ازان نزول کند

تو برون روز درکه تاشه عشق
اندرین خان و مان نزول کند

هیچکس را ممان درین منزل
تاکس بیکسان نزول کند

چون دل از غیر دوست خالی شد!
لطف حق آن زمان نزول کند

پادشاهی ست در دلِ تنگم
که اگر در جهان نزول کند

هر دو عالم شود چو گرد و غبار
جمله در لامکان نزول کند

چست دل شاهبازِ عالم قدس
کی درین آشیان نزول کند

چون معین خاک آستانهٔ اوست
هم در آن آستان نزول کند

راه باریک ست شب تاریک و منزل دُور دُور
می دمد صبح قیامت خیز از ین خواب غرور

هم چو عیسیٰ خرم مستورگان غرب
چون خران تا چند باشی بپا گاه دستور

بلبل جانت ز گلزار وصال آمد ولیک
در قفس با خارِ هجران گشته قانع از ضرور

جان و دل اندر لباس آب و گل گشته پدید
حسنِ معشوق از جمالِ عاشقان کرده ظهور

در حریم حرمتش ما و منی را بار نیست
ما و من غیر ند و خلوت خاص و سلطان بس غیور

کی کشاید دستِ غیرت در بروئ هر کسی
تا نگیرد از خود و خلقِ جهان یکسر نفور!

درِّ وحدت تا ز قعر بحر عشق اید بکف
اول از دریائ هستی بایدت کردن عبور

عودِ دل در مجمرِ سینۂ بنارِ غم بسوز
بزمِ قدسی را معطر ساز از عطرِ بخور
چو نسیمِ عشق بکشاید نقاب از روئی دوست
عاشقان را میل کی ماند سوئے حور و قصور

من ازان جامیکه در روزِ ازل نوشیده ام
هم چنان سرمست خواهم بود تا روزِ نشور
جرعۂ زین بادۂ جان بخش گر ریزی بخاک
های و هوئے عشق بر خیزد وز اموات قبور

روزِ اول خود دمیدی جان به تن بے واسطه
روزِ آخر هم تو خود دم جان من بی نفخ صور
ظلمتِ کثرت به جنبِ نورِ وحدت گشت محو
سایۂ امکان برفت از پرتوِ الله نور

نعرۂ منصور بر می خیزد از ذراتِ من!
این چه باده ست این که می انداز دم در حشر و شور

خم وحدت صد ہزاران رنگ ایک رنگ ساخت
غیب حاضر گشت و حاضر گشت غائب در حُضور
گر دل مسکین معین از جا دَوَدْ و معذور دار
چون ندارد تاب انوار تجلّے کوہِ طور

ای ترا بر طورِ دل ہر دم تجلّے دگر
طالبِ دیدار را ہر گوشہ موسیٰ دگر

یک دو حرفی خوانده ام در پیش استادِ ازل
تا ابد بر دل رسد ہر لحظہ معنیٔ دگر

چند فرمائی بترکِ دنیا و میلِ بہشت
کان بہشتِ خلد پیش ماست دنیائے دگر

رُوحِ قدسی گر مدی دی بزادی در جہان
ہر دور وز مریم ایام عیسےٰ دگر!

در ازل قاضیٔ عشقم داد منشورِ بقا
لاجرم آمد معین و گرد دعویٔ دگر

وہ کہ بر پائی صنوبر می نہد شمشاد سر
زلف یار من مگر بر پائی او بنہاد سر

مے کشم جور ترا تا سر بہ پیچم در کفن
حاش للہ کان زمان ہم پیچم ار بیداد سر

زاہدم می کرد منع سجدہ در پیشِ بتان
روی یارم دید وازشرمش بپیش افتاد سر

بر سر بر شادمانی خفتہ شیرین را چہ غم
شام ہجران بر پلاسِ غم نہد فرہاد سر

کار گر افتاد تیرت دوش برجانِ معین
تا سحر نالید مسکین عاقبت بنہاد سر

ذرّۂ از اثرِ مہر نشد فاش ہنوز
تو چہ دیدی ز ہوا داری ما باش ہنوز

آفتابیست کہ خورشیدِ فلک سایۂ اوست
چون کند جلوہ در آئینۂ خفاش ہنوز

ایکہ در صورتِ نقش این ہمہ حیران شدہ
باش تا جلوہ کند چہرۂ نقاش ہنوز

چون صدف غوطہ بدریا زن و لب تشنہ برائے
وز عطش در طلب قطرۂ ما باش ہنوز

او ز ما بر طرف از ناز و دلم می گوید
کہ نہانی نظری ہست سوئے ماش ہنوز

از لگد کوبِ فراقِ تو شدم خاک چو گرد
از سرِ کوی تو بادم نبرد کاش ہنوز

با حریفِ غم تو ہر دو جہان باخت معین
نقدِ جان می طلبد از منِ قلاش ہنوز

باز در بر روی اصحاب طلب بکشاد باز
هیبت اهل من تائب اندر جهان درداد باز

رخ نمود و دل ربود و باز اندر پرده شد
داغ دیگر بر سر داغ کهن بنهاد باز

رخت هستی مرا بر آتش هجران بسوخت
خرمن عمر مرا بر باد غم بر داد باز!

از یمین و از یسار قلب من در تاخت عشق
عقل مغلوب مرا آخر در غلاب افتاد باز

گفتمش رخ باز کن گفتا بخواهی سوختن
گفتم از سوزم بسازم هرچه بادا باد باز

شهر معمور دلم کز سیل هجران شد خراب
شاید از معماری وصلت شود آباد باز

باز جان من که شد محبوس دام آب و گل
گر بجود خوانی شود از قید تن آباد باز

گفتمش عکسِ جمالت چون مرا موجود کرد
تا بنامم زنده زان قوتم بباید داد باز
لمعۂ از پرتوِ نورِ تجلی ازد علم!
طورِ ہستیِ مرا برکند از بنیاد باز
گفت با ہستیٔ من لاف از وجودِ خود مزن
کی توان کردن دکان بالاترا استاد باز
در طریقِ جستجو از عاشقی منشین معین
در رہِ فقر از طلب کی می توان استاد باز

مرا ز ہر دو جہان دولت وصالِ تو بس
وصال چیست کہ آمد شدِ خیالِ تو بس

بصدرِ مسندِ شاہی وصول ممکن نیست
گدائی راہ نشین را صفِ نعالِ تو بس

چو چنگ زخمۂ غم می خورم ز عشق و خوشم
نوازشم ز ہمین زخم گوشمالِ تو بس

چو جامِ دل ز جمالِ تو گشت عکس پذیر
نگاہ جلوہ دل آئینۂ جمالِ تو بس

کمالِ دوست چو تکمیلِ ناقصات کند
تو ناقصی و ہمین ناقصی کمالِ تو بس

اگرچہ دادا طعنا نمی توان دادن
ولی قبول سَمِعنا در امتثالِ تو بس

معیبنا زچہ دارا الجلال می طلبی
تو غاصئ و نزالطف ذوالجلالِ تو بس

مانمی گوئیم نعمت یا بلا خواهیم و بس
بلکه ما دائم رضائے دوست را خواہیم و بس
گر رضائی دوست ما را در بلا خواهد رسید
ما ہمیشہ خویشتن را مبتلا خواہیم و بس
خلق از حق نعمت و فضل و عطا خواهند و ما
از خدا صبر جمیل اندر بلا خواهیم و بس
زاہدان این جا عمل خواهند و در عقبیٰ بہشت
این نمی خواہیم و آنہم با خدا خواہیم و بس
ہر کسی از تو بقدرِ خود مرادی خواستند
ما مرادِ خویشتن از تو ترا خواهیم و بس
ہر کسی خواہد کہ ماند در جہان باقی و لیک
ای معینی ما فنا اندر فنا خواہیم و بس

دل زسوزِ عشق و داغِ یار یابد پرورش
چون زرِ خالص کہ اندر نار یابد پرورش

آہِ درد آلود ہر شب تا فلک خواہم رساند
کز نسیمِ صبح دم گلزار یابد پرورش

دل زنخلِ قامتش در زیرِ بار آمد ولیک
میوہ آن بہتر کہ اندر بار یابد پرورش

اصبعینِ عشق اندر دل تصرف می کند
خوش دلی کاندر کفِ دلدار یابد پرورش

سرِ نہان کی تو اند کرد پیدا پیشِ خلق
آنکہ اندر پردۂ اسرار یابد پرورش

وآن کہ در دارِ وجودش غیرِ حق دیار نیست
ہم چو منصور آن زمان بر دار یابد پرورش

وحدت اندر صورتِ کثرت نماید جلوۂ
نقطہ اندر کسوتِ پرکار یابد پرورش

در گلستانِ حقیقت چون گل نو بادهٔ !
گل میانِ صد ہزاران خار باید پرورش
ای معین از سرزنشہائی حسودان غم مخور
چون دلِ عشاق از آزار باید پرورش

اگر بی پرده نتوانی که بینی پرتوِ ذاتش!
بذراتِ جهان بنگر که هر ذره ست مرآتش
جمالِ حق زمرآتِ صفاتش می کند جلوه
صفت در کسوتِ افعال فعل از عین آیاتش

چو سمت مظهرِ جانست و جانب مظهرِ اعیان
چو اعیان مظهرِ اسما و اسما مظهرِ ذاتش
تجلی طور را اگرچه ز هیبت ساخت صد پاره
ولیکن تا ابد تا بد جمالِ حق ز ذراتش

من از کنج خراباتی جمالی دیده ام واللہ
که چندین سال می جستم بہ محراب مناجاتش
مرا از یک دو جام می چنان حالی بدست آمد
که صد سالک نخواهد یافت در طی مقاماتش

معین را عشق بُرد از ره دریغ از فهم و دانائی
وزان تحصیل بے حاصل که ضائع کرد اوقاتش

بنه سر بر خط فرمان وخطی در جهان درکش
بشو لوح من دانا را قلم دراین و آن درکش

بر د پائی هوا پی کن هوائی صحبت دے کن
بساط نه فلک طی کن قدم در لامکان درکش

تو شهبازان یا هو را مخوان در باغ خود حور را
بر و مرغ هوا جو را بدام امتحان درکش

مرا بُرد اُو به میخانه که ای سرمست دیوانه
بگیر این رطل و پیمانه بیادِ من روان درکش

چه باعث شد سلیمان را که گوید مور بے جان را
بدریا رو نهنگان را به یک دم در دهان درکش

چو وادی جام منصورم فگندی در شر و شورم!
چه میدانی که معذورم چه می گوئی زبان درکش

منم گوئی تو چوگانی منم مرکب تو سلطانی
مرا هر سو تو میرانی و می گوئی زبان درکش

بگردت مست و دیوانه برفتم هم چو پروانه
مرا ای شمعِ فرزانه بگیر اندر میان درکش

اگر خواهی تو بنمائی به عالم حسن و زیبائی
مرا مجنون و شیدائی ببازارِ جهان درکش

دران روزے کہ بنمائی جمالِ خود بہ مشتاقان
معینؔ را سوز چون سرمہ بہ چشمِ عاشقان درکش

تا دل نگشت غرفهٔ دریای من عرف
نادر دُچون صدف گهر معرفت بکف

هر کس نهد به خاکِ درش رخ چو آفتاب
بر تارکِ سپهر نهد پایهٔ شرف

ریحان و گل به روضهٔ جانست قوتِ دل
در شوره زارِ تن نه کند میل هر علف

موسی روح را چه غم از اژدهای نفس
چون از جنابِ قدس رسد وحیِ لاتخف

انسان نه این سلالهٔ آب و گلست و بس
در سلکِ دُر کسی نکشد مهرهٔ خزف

از صد هزار قطرهٔ باران یکے مگر!
گوهر شود به تربیت اندر دلِ صدف

سرمایهٔ حیات متاعیست بے بہا
مپسند کان بہرزه شود رائگان تلف

صیتِ یُحِبُّہُم وَیُحِبُّونَہٗ زچیست
گر نیست ابتدائی محبت ازان طرف

در انتظارِ مقدمت از نورِ کبریا
بر کنگرِ جلال کشیدہ ہزار صف

گر صد ہزار تحفہ رسد از تو ہر دمم!
مقصودِ ما توئی وطفیلست آن تحف

ہردم معینؔ کشادہ ز دل صد خدنگ آہ
لیکن چہ چارہ گر نہ رسد تیر بر ہدف

حمدی کہ بر صحائف اطباق نہ فلک
توقیع برکشیدہ کہ الکبریا ملک
حمدی کہ خود رقم زدن بر صفحۂ قدم
کان را بہ ہیچ حادثہ ممکن نگشتہ بک
حمدی کہ در تصدیٔ او فاز من ہدے
حمدی کہ در تخلف او خاب من ہلاک
حمدی کہ جوہریش زند سکۂ قبول
روزی کز امتحانش دہد جلوہ بر محک
ذاتِ خدائی ہر دو جہان را سزد کہ ہست
بر طبق مدعاش مسجّل ہزار صک
ذرّات کائنات زبان برکشادہ اند
اندر ادائی نکتۂ توحید یک بیک
بر ذات پر کمال تو دادر دلائلے
آیات کُن فکان زسما گیر تا سمک

باتست وبس معاملۂ نیک و بد از آن که
وہاب بی رجوعی و بیتاع بے درک

عکس جمال تست در آئینۂ حواس
یک رنگ گشتہ در نظر حس مشترک

روز ازل بگردن آدم فگند عشق
قید محبتے کہ مر آن را مباد فک

لاف از کمال نحن نسبح کجا زدے
یک نکتہ گر ز عشق شدی کشف بر ملک

گر نغمۂ ز عشق شنیدی سماع چرخ
در رقص خویش خرقہ در انداختی فلک

مفتیٔ شرع منکر عشق ست ازو بپرس
زان سگ کہ گشت محو نمکسار شد نمک

گو سگ نماندہ است و بکلی نمک شدہ است
ہر کس کہ نیست باورش این نکتۂ بمک

از ساکنانِ مدرسه تا پیرِ خانقاه
گر درکِ این سخن نکند رفت تا درک

جائیکه نورِ مطلع حق الیقین بیافت
زآئینۂ دلش که زداید غبارِ شک

هر چند ناکسم سگ اصحاب دولتم
گنجم مگر بفضلِ تو در سلکِ مَنْ سَلَکْ

یارب معین جوی ز عمل نیستش ولیک
دارد ز فضل تو طمع صد هزار لک

من دُری بودم نہان در قعرِ بحرِ لم یزل!
عشق غواصانہ ام آورد بیرون زان محل

من دُرِ دریائے عشقم چند مانم در صدف
من چو مرآتِ خدایم چند باشم در بغل

از صدف آیم برون بر تاجِ عزت جا کنم
نور گیرند از فروغم ماہ و خورشید و زحل

من غلامِ ردی یارم گرچہ ماہم در جہان
من گدائے کوئے عشقم گرچہ شاہم فی المثل

گر کند دستِ اجل قصرِ وجودم خشت خشت
اصلِ بنیادِ محبت ہیچ نہ پذیرد خلل

دل ز من بردی و گفتی در بدل وصلت دہم
چون مبیع خود پسندیدی چرا ندہی بدل

من چو از اہلِ دلم فانی نہ خواہم شد ز مرگ
چون نویدِ وصل می آرد چہ ترسم از اجل

طالبان درخورد خود ہر یک مرادی خواستند
عاشقان دیدار یار و زاہدان حسن عمل
سر عشق از عرش و فرش و لوح و کرسی حل نشد
ای معینی کی توان کردن بیان در یک غزل

مرا ز دیدۂ و دل ہر زمان درود دمادم
نثار روضۂ پر نورِ صدر و بدرِ دو عالم
چہ مظہر ست کہ مبعوث شد بر اول و آخر
بظاہر ست موخر بباطن ست مقدم
بصورت از بشر آمد ولی زروئے حقیقت
ز فرق تا بہ قدم رحمتِ خدا است مجسم
بہ عالمِ دل و جان بود شاہِ تختِ رسالت
میان مکہ و طائف ہنوز قالبِ آدم
بروز حشر بہ ظلِّ لوائی او شدہ واثق!
بسان امت او جملہ انبیائے مکرّم
نہادہ باقیؔ عزت شب دنیٰ فتدلےٰ
فرودِ پایۂ جاہش وثاقِ عیسےٰ مریم
چو از دلیٰ زدہ بیرون قدم ز مصعد ادنے
بیک دو گام گذشتہ از اوجِ طارمِ اعظم

اگر نہ شورِ سرورِ ظہورِ نورِ تو باشد
فروغِ عیش کہ بیند درین سرچۂ ماتم

طفیلِ ذاتِ تو ہژدہ ہزار عالم ازان شد
کہ پیشِ بحر ندارد وجود قطرۂ شبنم

ز ابرِ جود چو شد فیضِ رحمتت متقاطر!
فضائے روضۂ جان شد زمینِ فیضِ تو خرم

ہزار غم ز گناہ ہست بر دلِ من و ہر دم
فزودہ ام غمِ دیگر ہزار بار بران غم

بہ عذر خواہیِ ما برکشائی لب بہ شفاعت
کہ دل پرست ز درد و لبِ تو حقۂ مرہم

معین چہ تحفہ فرستد بغیرِ اشک ز دیدہ
کند درود پیاپی روان بسوئی تو ہر دم

اندر آئینۂ جان عکس جمالے دیدم
ہمچو خورشید کہ در آب زلالے دیدم

خیرہ شد دیدۂ عقل از لمعاتِ رخ دوست
با وجود از پس صد پردہ خیالے دیدم

این چنین نور کہ در آئینۂ جان بنمود
عینِ ذاتست و لیکن بمثالے دیدم

من اگر والہ و مدہوش شوم معذورم
کہ در آئینہ عجب حسن و جمالے دیدم

عاشق و مست من از روز الست آمدہ ام
عقل و ہشیاریٔ خود امر محالے دیدم

ہستیم رفت و کنون ہستیٔ مطلق باقیست
این ہمہ ہجر بامید وصالے دیدم

بزم وحدت کہ مرا تنگ تر از تنگ نمود
چون ز تنگی بگذشتم چہ مجالے دیدم

در بیابانِ ہوایت ہمہ ملک و ملکوت
کمتر از پشہ کلے بے پر و بالے دیدم
تا معین ذرہ صفت رفت پئی نور ازل
نہ طلوع و نہ غروب و نہ زوالے دیدم

سوئے من آ کہ ترا یار و وفادار منم
ہر چہ داری بمن آور کہ خریدار منم
گر تو شاہی و دولت عزم تماشا دارد
بر من آی کہ باغ و گلِ گلزار منم
وگر از رنج معاصی دل تو گشتہ ملول
سوئے من آ کہ طبیبِ دلِ بیمار منم
نہ ہمین صاحبِ سجادۂ خلوت گاہم
ساقیٔ میکدۂ و مطربِ خمار منم

اے کہ در صومعہا در طلبم می پائے !
گو بردن آئی کہ اندر سرِ بازار منم
ہوسِ خرقہ صد پارہ و تاجِ دیباج
بنہ از سر کہ ترا جبہ و دستار منم
بے دلی گم کن و از بیکسیٔ خویش منال
کہ ترا در ہمہ جا دلبر و دلدار منم

تو بهر معرکه از رازِ دلِ خویش مگوی!
که بخلوتگهِ جان محرمِ اسرار منم

تا یکی نقطهٔ صفت دائره می بنمائی
تو چو مرکز به نشین گرد تو پرکار منم

گوهرِ معدنِ صورت خزفِ هستی ست
در تگِ بحرِ معانی دُرِ شهوار منم

هیزمِ شخصِ معیّن سوخت چنان زآتشِ عشق
که شدم اخگر و گفتم که مگر نار منم

بکشائے پردہ از رخ بردار ہستیم
حسنی بہ من نمای و بیفزای مستیم

محروم گشتم از طیران در فضائے قدس
تا بال جان بہ رشتۂ قالب ببستیم

شہباز آشیانۂ قدسم گہِ عروج
گر قیدِ تن فرو نکشد سوئے پستیم

واعظ ز کوئے دوست سوئے جنتم مخوان
بنگر کہ از کجا بہ کجا می فرستیم

من مست وَمی پرست نہ امروز گشتہ ام
سرمست و بے خود از میٔ بزمِ الستیم

من در جمال بت رخِ بتگر بدیدہ ام
توحید مطلق ست کنون بت پرستیم

در بحرِ آشنائی او غرق گشتہ ام
اے خضر تا سفینۂ ہستی شکستیم

دل ذرّه ذرّه گشت زنورِ تجلیت
لیکن زهر شکست بود صد درستیم
نورِ ظهورِ ساقیٔ باقی کند طلوع
چون جامِ دل زدوده شد از زنگ هستیم
بگذار تا روم زجهان آستین فشان
کز آبِ دیده دست زعالم بشستیم
برخاست شغلِ شادی و عیش از دلِ معین
تا در درونِ سینهٔ محزون نشستیم

من یار ترا دارم داغیار نمی خواہم
غیر از تو کہ دل بردی دلدار نمی خواہم

خاری کہ زد در د تو خست ست مرا در دل
من خستۂ آن خارم گلزار نمی خواہم

گر جلوہ دہی بر دل نقدِ دو جہان گویم
من عاشقِ دیدارم دینار نمی خواہم

سری کہ مرا با تست با غیرِ تو چون گویم
تو دانی و من دانم اظہار نمی خواہم

اندر حرمِ جانم کس را نبود منزل
غیر از تو درین خلوتِ دیار نمی خواہم

خون می خورم از دستت و آزار نہ پندارم
کان خاطرِ نازک را آزار نمی خواہم!

من بادہ نمی نوشم امّا چو توئی ساقی
اندر تنِ خود یک رگ ہشیار نمی خواہم

عاشق که تو را خواهد با غیر نیار امد
جنات نمی خواهم و انہار نمی خواهم
دنیا طلبد غافل عقبیٰ طلبد عاقل
من عاشقم و بے دل جز یار نمی خواهم
از ہستیٔ خود بگذر بگذار معین افسر
جائی که نه گنجد سر دستار نمی خواهم

اے نورِ عشقت تافتہ اندر سویدائی دلم
بگرفتہ نورِ عشقِ تو پنہان و پیدائے دلم
بنمود نورِ ذوالمنن چون آتش از نخلِ بدن
اسرارِ خود گفت او بمن بر طورِ سینائے دلم
در تافت نورِ طلعتش از آسمانِ عزتش
بگرفت نورِ وحدتش مجموع اجزائے دلم
مسکین دلم بدخوی شد جیائی آن رہ دئی شد
رَبِّ اَرِنی گوئی شد بے چارہ موسائی دلم
موسیٰ در آن روز نبرد از لن ترانی زخم خورد
دل ہیچ اندیشہ نکرد ائی وائے صد وائے دلم
ہر کس بخود آمد بدر آن زخمش آمد بر جگر
دل چون ز خود آمد بدر او گشت جویائے دلم
دل در پئی روئے نکو می رفت ہر دم کو بکو
تنہا و قیدِ زلفِ او زنجیر بر پائے دلم

نور تجلّی صبح دم از مطلعِ دل زد علم !
نورش فزون شد رم بدم بگرفت صحرائے دلم

من سوئے او بشتافتم وین پردہ ہا بشگافتم !
الحمد للہ یافتم مقصود و ماوائے دلم

گفتم چو یابم زو خبر آرام گیرد دل ببر
چون دیدمش شد بیشتر فریاد و غوغائے دلم

در مجلس مسکین معین یکدم نشین صد دُر بچین
بنگر چہ دُرہائے ثمین وا دست دریائے دلم

صفات وذات چو از هم جدا نہ می بینم
بہر چہ می نگرم جز خدا نمی بینم
مگو کہ دیدۂ حادث قدیم کی بیند
ہمین بس ست کہ من خویش را نہ می بینم
ترا چو آئینہ تیرہ ست چشم نابینا
مخور فسوس کہ من ہم چرا نمی بینم
زمن مپرس کہ آن آہ ماہ را کجا دیدی
چو من زجائی برفتم بجانہ می بینم
بہر بلا کہ تو خواہی بیازمائے مرا
کہ در مشاہدۂ تو بلا نمی بینم
زمن بہر چہ کنی یا درا ضیم حقا!
کہ ہر چہ از تو رسد تو جز عطا نہ می بینم
بہر طرف کہ مرا می بری بحمد اللہ
کہ خویش را ز تو یک دم جدا نہ می بینم

عروجِ جانِ معنیٰ بر اوجِ او ادنیٰ
بجز متابعتِ مصطفیٰ نمی بینم

تا من با او پیوسته ام از غیر او ببریده ام
من حلِ عقدهٔ عقل را در یک گره پیچیده ام

ترسم نه از دوزخ بود بیمم نه از برزخ بود
امید و بیم ز دل بود از غیر نندیشیده ام!

با مالکِ دوزخ بگو کز من مرادِ خود مجوی
هر لحظه من از عشقِ او در دوزخِ سوزیده ام

اے حور و رضوانِ جنان در پردہ پنہان شو روان
کامروز از عینِ عیان من حسنِ دیگر دیده ام

از حور خواهم نه ملک نه عرش جویم نه فلک
اینها نخواهم یک بیک عشقِ دگر ورزیده ام

شهباز عشقم در زمین نه مرغکی ام دانه چین
از بهرِ صیدی این چنین از دستِ شه پریده ام

یا بلبلے ام گل طلب اندر گلستانِ عرب
هر دم بدستانِ عجب از بهرِ گل نالیده ام

تا دلبرِ گلگونِ من وان لیلئ موزونِ من
گفتا کہ اے مجنونِ من من گوشۂ بگذیدہ ام
تا ہم نمی آرد یقین نہ آسمان و نہ زمین
با رفعتِ قدرِ چنین اندر دلت گنجیدہ ام
گہ مرکزی ام درمیان گہ نقطۂ ام بی نشان
گاہی چو پرکارِ روان درگردِ تو گردیدہ ام
داد اُو مرا پیمانہ ہا کردم تہی خمخانہ ہا!
وز ترس این بیگانہا خاکی بلب مالیدہ ام
نے ہرزہ می گوید معینؔ برخیز و نزدیکم نشین
بوکن دہان من ببین تا ازچہ می نوشیدہ ام

ما به فکرش از بهشت و حور و غلمان فارغیم
از نعیم هر دو عالم بهر جانان فارغیم

قوت از خوان اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ خورده ایم
آن غذا نوشیده ایم از آب و از نان فارغیم

طفل جان را دایۂ لطفِ ازل می پرورد
لاجرم از مهد و شهد و شیرِ پستان فارغیم

هم چو لاله داغها بر دل نهادم تا کنون
هم چو گل در باغِ وصل از داغِ هجران فارغیم

ما کز ان لبها حیات جاودانی یافتیم
از طلب گاری خضر و آب حیوان فارغیم

واعظا عشاق را خوش نیست ترغیبِ بهشت
ما بدیدارش ز باغِ خلد و رضوان فارغیم

طائرِ عشقیم کز قید طبائع جسته ایم
دام تن بگسیخته وز دانۂ جان فارغیم

ما چو بیرون رفته ایم از تنگنائی کن فکان
در فضائے لامکان از ضیق امکان فارغیم

عارفان را چون نظر بر عینِ معروفست و بس
از وسائط در ظهورِ نورِ عرفان فارغیم

ما که از عین الیقین حق الیقین را دیده ایم
از دلیل ظنی و تشکیکِ برهان فارغیم

چونکه در غیبِ هویت اعتبارِ غیر نیست
از ظهورِ اسم در مرآتِ اعیان فارغیم

هرچه دیدم یا حجابِ اوست یا خود عینِ اوست
لاجرم از عشق و عقل و کفر و ایمان فارغیم

ما به پشتی گرم بارِ از امانت می کشیم
وز ظلومی و جهولیهائے انسان فارغیم

چون که سلطان جهان در حکم و در فرمان ماست
از گزند حاجب و تهدید دربان فارغیم

حاجبی اندر میان عاشق و معشوق نیست
ما بجانان واصلیم و از رقیبان فارغیم
در ملامت زد معین خلق آن چه خواهد گو بگو
ما کنون از مدح و قدح جملهٔ خلقان فارغیم

من نهنگِ بحرِ عشقم تا بکی دم در کشم
کشتئ تن بشکنم نقدِ دو عالم در کشم

ساقیا از ساغرِ جان بادۂ وصلت چشان
تا بکی از خونِ دل جامِ دمادم در کشم

خون شد چشم براهش اے صبا گردی بیار
تا بجائے سرمہ اندر چشمِ پرنم در کشم

روحِ قدسی سجدہ آرد پیشِ آن حسن و جمال
گر نقابِ آب و خاک از روئے آدم در کشم

در درونِ قصرِ تن برتختِ دل سازم مقام
طیلسانِ استوارِ عرشِ اعظم در کشم

گر کشم دستِ طمع از آستینِ ہر دو کون
پائے در دامن براوجِ ہفت طارم در کشم

گر فتگا فم دلق ہستی را بہ مقراضِ فنا
رشتہ کی در سوزنِ عیسئ مریم در کشم

پای کوبان میروم سوئے فلک تازان نشاط
جامۂ ازرق ز دوشِ اہل ماتم درکشم
پرسیم تا عقل را بر عشق دعوی می رسد
من برین توقیع فی واللہ اعلم درکشم
ساقیا اہلِ طرب را جامِ شادی دہ کہ من
درمیانِ دُرد نوشان دردئ غم درکشم
دم بہ دم نالۂ عشقش در معینی میدمد
فاش خواہم کرد تا رازش تا بہ کے دم درکشم

ترا می خواہم اے دلبر کہ بینم
توئی مقصودِ من در ہر کہ بینم

مرا چشم از برائے دیدنِ تست
تو رخ ننمائیم پس در کہ بینم

جمالِ ساقیٔ من می نماید
بمرآتِ می و ساغر کہ بینم

چنانت دیدہ ام از دیدۂ و دل
کہ نشناسم بہ چشم سر کہ بینم

ہزاران در ز دل سویت کشادست
ترا می بینم از ہر در کہ بینم

رخت گر بینم ور نہ بمیرم
چو خواہم مرد آن بہتر کہ بینم

معینؔ امروز می خواہد وصالش
ندارد صبر تا محشر کہ بینم

این منم یارب که اندر نورِ حق فانی شدم
مطلعِ انوارِ فیضِ ذاتِ سبحانی شدم

ذره ذره از وجودم طالبِ دیدار گشت
تا که من مست از تجلیہائے ربانی شدم

زنگِ غیرت را ز مرآتِ دلم بزدود عشق
تا بکلّی واقفِ اسرارِ پنہانی شدم

من چنان بیرون شدم از ظلمتِ ہستیٔ خویش
تا ز نورِ ہستیٔ او آن کہ میدانی شدم

گر ز دودِ نفس ظلمت پاک بودم سوخته
زامتزاجِ آتشِ عشقِ تو نورانی شدم

خلق می گفتند کین رہ را بدشواری روند
ای عفاک اللہ کہ من باری بآسانی شدم

دمبدم روح القدس اندر معینی میدمد
من نمیدانم مگر من عیسیٔ ثانی شدم

چو من ز بادهٔ عشق تو مست و بے خبرم
همه جمالِ تو بینم بهر چه در نگرم
تو هر حجاب که خواهی فرو گذار که من
به نعرهٔ که زنم صد حجاب را بدرم
چو درمیانه نماند حجاب مانع چیست
که پر برآرم و از هفت چرخ درگذرم
چه جای هفت فلک کز فرازِ طارم عرش
هزار منزل دیگر به یک قدم سپرم
چو ارز نیست برم هفت چرخ و هشت بهشت
سزاست گر دد جهان را به نیم جو نخرم
درخت عمر مرا بر امیدِ دیدنِ تست
اگر بغیر تو بینم ز عمر بر بخورم!
معین منظر ز خدا باقی ست ای والله
که عرش و فرش ندارند تاب یک نظرم

تو خاصه ز ما باش که ما نیز ترائیم
در هر دو جهان مقصد و مقصود تو مائیم

گر یک قدم از کوئے طلب سوئ من آئی
من صد قدم از راهِ کرم پیش تو آئیم

ما گنج نهانیم و تو مفتاحِ فتوحی
هم از تو برائے تو درِ گنج کشائیم

ما بر صفتِ خویش ترا جلوه نمودیم
تا ز آئینۂ ذاتِ تو خود را بنمائیم

تو آئینۂ صافی و ما نیز چو خورشید
در آئینه تابیم و حرارت به فزائیم

چون زنگِ گِل از آئینۂ دل بزدودند
جان نعره برآورد که ما نورِ خدائیم

جز نورِ جمالِ تو در آئینه چه تابد
آن دم که غبار از رخِ آئینه زدائیم

تو بحرِ قدم بودی و ما شبنمِ امکان
ما با تو چنانیم که گوئی همه مائیم

در عالمِ توحید نه یاریم و نه اغیار
آن لحظه که از پردهٔ هستی بدر آئیم

از شش جهتِ کون گذشتست معینی
از جا چو بردنیم چه گوئی که کجائیم

من بلبلِ عشقم کنون سوئے گلستان می روم
بوئی ازآن گل یافتم اندر پئے آن می روم

چون آبِ جو گشتم روان پائے وسرو باغ جان
جامی بہ من دادست ازان سرست و غلطان می روم

من عندلیب بیخودم کز عشق گل نالان شدم
نی نی کہ من آن ہدہدم سوئے سلیمان می روم

یا صفدرے ام صف شکن بیہودہ در زندان تن
افتادہ بند از پائی من اکنون بہ میدان می روم

صد بند را بگسیختم وز دشمنان بگریختم
با لشکرش آمیختم تا پیشِ سلطان می روم

در راہ دیدم دلبری عاشق کشی غارت گری
در سر کشیدہ چادری یعنی کہ پنہان می روم

گفتم کہ اندر نیم شب صبحی دمیدہ بوالعجب
گفتا کہ ہر شب بے طلب بیمار پرسان می روم

عشاق را می دہم پس جانبِ خود می کشم
گر پیشِ من نایند ہم من پیشِ ایشان می روم
باشد ز قیدِ جسم و جان مطلق معینی بر کران
دیگر سبک بارم ازان در راه آسان می روم

پردہ برمی افتد از رخسارِ او بکشائی چشم
می نماید لمعۂ انوارِ او بکشائی چشم
شاید ار دیدہ نہ بکشائی بسوئے حور و قصور
لیکن اندر دیدنِ دیدارِ او بکشائی چشم
جان قدسی کردہ نرخِ دیدنش ولالِ عشق
گر تو جان داری درین بازارِ او بکشائی چشم
دیدہ است حسنِ موثرِ بی وسائط گر ندید
یاری در آئینۂ آثارِ او بکشائی چشم
ہیچ کس بے خارِ غم یک گل درین بستان ندید
گر گلت باید بہ زخمِ خارِ او بکشائی چشم
بندگان در خواب سلطان پاسبانی می کنند
در سپاسِ دیدۂ بیدارِ او بکشائی چشم
دوست را صد پردہ است و ہر یکی را دیدہ است
پس بر رفع ہر یکی ز استارِ او بکشائی چشم

آن نہ منصور ست کا ناررداراناالحق می زند
نیست غیر حق کسی در دارِ او بکشائی چشم

دیدہ بربست ست زاہد تا بفردا روز بار
نی کہ امروز ست روزِ بارِ او بکشائی چشم

کاروبارِ خود معینی در سرِ کارِ تو کرد
بر امیدِ یک نظر در کارِ او بکشائی چشم

ما بہرِ وصال از دل وجان نیز گذشتیم
در وصل نخواہی تو ازان نیز گذشتیم

در بحرِ فنا غرقِ رضائے تو چنانیم
کز جوئے مرادِ دو جہان نیز گذشتیم

عمری زپئے نام ونشان تو دویدیم
ما در طلب از نام ونشان نیز گذشتیم

در پائگہِ نفس بہیمی چہ کند دل!
کز مرتبۂ روحِ روان نیز گذشتیم

یک جام بما داد کہ تن دل شد ودل جان
یک جام دگر داد زجان نیز گذشتیم

ناگاہ رسیدیم بہر چیز کہ جستیم!
از پائے نشستیم وازان نیز گذشتیم

دیدیم عیان چہرۂ منصور بدیدہ
کز ضابطۂ شرح وبیان نیز گذشتیم

از تفرقهٔ عاشق و معشوق رهیدیم
فی الجمله نه آئیم و زان نیز گذشتیم
در منزلِ مقصود که خلوت گهِ قدس است
از حادثهٔ کون و مکان نیز گذشتیم

از عین عیان دید معیّن حسنِ تو امروز
کز وعدهٔ فردا بجنان نیز گذشتیم

چشم غیرست درین پرده چسانش بینم
بهتر آنست که از دیدهٔ جانش بینم

او چو از دیدهٔ بی دیده گیم می بیند
چارهٔ آنست که من نیز چنانش بینم

بی نشانیست نشانِ طلب اندر رهِ عشق
بی نشان تا شده حاشا که نشانش بینم

رفت آن وقت که بروی نگران می بودم
وقت آنست که بر خود نگرانش بینم

پرده گو برفگن امروز زرخ ورنه مرا
صبر آن نیست که فردا بعیانش بینم

خواهم اول که زسر تا بقدم جان گردم
تا چو جان در همه پیدا و نهانش بینم

حسنش از پردهٔ هستی معین می تابد
باشد این پرده براُفتد که عیانش بینم

بساهِ عشق چو پائی حدوث پی کردم
بیک قدم که زدم هردو کون طی کردم

ازین سراچهٔ فانی قدم زدم بیرون
چو عزم بارگهِ کبریائی وی کردم

بسوخت از نفسم پردهای هفت فلک
کنون که غسل طریقت بآب می کردم

زدست بخت خرد انچه خورده بوددلم
بجرعهٔ زمیٔ عشق جمله فیٔ کردم

دمید نائی عشقِ تو رازها بدلم!
من از تسلیم دلی نسبتش به نی کردم

دمید رد ح قدس ور معلّیٰ مسیح صفت
ببین که مرده دلان راچگونه حی کردم

چو من از ہستیٔ خود دور باشم
بخود ہم ناظر و منظور باشم

جو جام و بادہ و ساقی ہمہ‌است
روا باشد کہ من مخمور باشم

زجامِ وحدتم یک جرعۂ بخش
کہ در دارِ فنا منصور باشم

ازان جامیکہ چون سرِّ اناالحق
برآید بر زبان معذور باشم

زتابِ عکسِ خورشیدِ حقیقت
چو ذرہ مظہرِ آن نور باشم

ندارد تابِ نورش خفّاش
ہمان بہتر کہ من مستور باشم

زشہرِ عشق می آید معینے!
عجب نہ بود اگر مشہور باشم

جامِ دیدارِ خدا کرد چنان مخمورم!
که خمارش ننشیند به بهشت و حورم!

مست اگر نعره زند نعره زمی دان نه ازو
مست حقّم نه کم از مستِ مئے انگورم

آهِ سوزان ز دل آن دم که فرستم به فلک
گر بسوزد پر و بالِ ملکی معذورم

روز و شب با من و من در طلبش سرگردان
مشکل این ست که هم واصل و هم مهجورم

او بصد مرتبه نزدیک ترست از رگ جان
من بصد مرحله افسوس که ازوی دورم

روحِ قدسم به قیودِ بشری گشته اسیر
همچو خورشید که در مشتِ گلی مستورم

ازچه در سایهٔ تن ذرّه صفت گم نامم
من که خورشیدم و در عالمِ جان مشهورم

پردہ از پیش برا ندازم و گویم کہ کیم!
لیک ترسم کہ بسوزد دو جہان از نورم
مسند سلطنتم بر سر افلاک زدند
تاکہ سلطانِ ازل زد رقمِ منشورم!
موسئ دل کہ بطور ید نم گفت اَرِنی
یعنی از جامِ بقا بادہ بدہ مخمورم
جرعۂ داد ازان بادۂ وحدت کہ مرا
نہ کنون موسئ دل ماند بجانِ طورم
منکہ در دیر فنا لاف انا الحق زدہ ام
عشق در دار فنا دادہ مئ منصورم
حرفی از سطر تجلیش اگر بر خوانم
دانی آن لحظہ کہ بر لوح قدم مسطورم
من چو در آئینۂ دل نظری افگندم
گشت معلوم کہ ہم ناظر و ہم منظورم

بارِ غم گرچه به مقدارِ شکیب است معین

لیک پیداست که تا چند بود مقدورم!

قطعہ

گہ چو احمدؐ در شبِ معراجِ وصل
از حرم تا صوبِ اقصیٰ می روم

از زمین تا سدره وز سدره به عرش
بر براقِ برق آسا می روم

از فلک بگذشت وز انس و ملک
از دنیٰ سوی تدلّیٰ می روم

قاب و قوسین ست و او ادنیٰ حجاب
بی حجب تا حق تعالیٰ می روم

من نمی دانم درین بحرِ عمیق
شسته ام استاده ام یا می روم

حمدی کہ پُرگہر بود از وی دکانِ جان
شکریکہ پُرشکر بود از وی دہانِ جان

حمدی کہ جان بیان کندش از ادائے دل
شکری کہ دل ادا کندش از بیانِ جان

حمدی کہ در قلائدِ انعام در کشد
لولوز بحرِ خاطرِ گوہر زکانِ جان

حمدی کہ در عزیمت گلشن سرائے قدس
بر بام عرش بر رود از نزد بانِ جان

حمدی کہ چون ہما فگند سایۂ شرف
بر اوج بارگاہِ قدم زآشیانِ جان

باد انثار بارگہ واجب الوجود
بستایدش مگر دل من از زبانِ جان

مانند آفتاب جہان تاب روشن ست
آثارِ پادشاہی او در جہانِ جان

جان و جهانم اوست ولی چون بجویمش
اندر جهان نیابم و یابم میانِ جان
عالم نشان آدم و آدم نشانِ اوست
هم چون بدن نشانِ دل و دل نشانِ جان
تن زنده چون بجان شد و جان زنده شد بدوست
تن جانِ خود شناسد و جان نیز جانِ جان
در شوره زارِ تن بدمد صد گل مراد
چون فیضِ حق نزول کند ز آسمانِ جان
گر وصل دوست می طلبی جان بده معین
زیرا که سودِ عاشقی آمد زیانِ جان

اے ذاتِ تو بر بساطِ کونین
سرِ دو جہان و دُرِ بحرین

چشمِ دو جہان بہ تست روشن
در دیدۂ جان تو قرۃ العین

آلودہ نشد بسیرِ عرفان !
دامانِ تو از غبارِ کونین

کی نقدِ امانتم سپردی
گر تو نشدی ضمانِ آن دین

از شینِ شفاعتِ تو آن رست
در روزِ قیامت از جہان شین

عقل از سفرِ براقِ عشقت
تا چند کند سوالِ اِمے اَین

در دائرہ معاد و مبداء
موہوم خطی فتادہ فی البین!

زآمد شدنِ دمِ تدلّی!
آن دائره گشته قاب قوسین

آن خطِ تو همی برانداخت
تا عکس جدا نباشد از عین

سرش زغبار غیر وارست
مانندۀ آفتاب از غین

از تابشِ بادۀ معیت
روشن شده جام ثانی اثنین

از صیقل معرفت زدوده
زآئینۀ دل کدورت رین

بی نقطۀ وحدتش معینے
رین دل طالبان نشد زین

گر بچشمِ عاشقان بینی جمالِ خویشتن
هم چو من آشفته گردی در خیالِ خویشتن

چون ہمائے عشق موران را بدر بر قصرِ قرب
من درین ایوان نمی پرّم ببالِ خویشتن

من چو مرآت دیم حسن از جمالش برده ام
جز جمالِ او نمی بینم مثالِ خویشتن

آئینه مغرورِ حسنِ خویشتن هرگز نشد
بلکه می بیند جمالی در جمالِ خویشتن

ساقیا وقتست اگر جامی به مستان می دہی
کز خماری مانده ام اندر ملالِ خویشتن

بادۂ خواہم که بستاند مرا از من تمام!
تا چو منصور آن زمان یابم وصالِ خویشتن

قطرۂ زان باده کوه طور را صد پاره ساخت
عاشقِ مسکین کجا ماند به حالِ خویشتن

از برائے طوطیان باغِ قربت می برم
تنگ تنگ شکّر از شیرین مقالِ خویشتن

آن گلی کاندر سحر بشگفت در باغ دلم
بلبل طبع معین را کرده لالِ خویشتن

چو قصدِ بارگہِ کبریا کند دلِ من
فراز عرش بود کمترینہ منزلِ من

مرا بجاذبۂ عشق می کشد سوئے خود !
کسے کہ دستِ محبّت نہاد در گلِ من

بہ گفتمش بتو واصل کہ می شود گفتا !
ز خویش ہر کہ بُبرّید گشت واصلِ من

چو ماہ بودم و بس جامۂ سیاہ شدم
چو آفتابِ رخت رفت از مقابلِ من

خسوفِ من نہ ز بہر قصور خورشید است
دلی زمینِ بدن گشتہ است حائلِ من

ز خرمنِ دو جہان گر نشد جوی حاصل
بہ سینہ تخمِ محبّت بس است حاصلِ من

معیّن ز سوزِ دلم شمۂ چو بنویسد
ز خامہ دود بر آید ز آتشِ دلِ من

چشمِ دیگر با بدنت تا حُسنِ او دیدن توان
گوشِ دیگر تا کلامِ دوست بشنیدن توان
رشتۂ جان را اگر پیوند با وصلت بود
خرقۂ تن را ز سرتاپائی بدریدن توان!
چون بگوشِ مرغِ جان آمد صدائے ارجعی
این قفس بشکستن و سوئی تو پریدن توان
گر تو خواہی تیغ راندن وقتِ بسمل در گلو
در میانِ خاک و خون چون مرغ غلطیدن توان
بر امید آن کہ دامانِ تو گیرد دستِ من
در لحد ریزیدن و در خاک پوشیدن توان
ہر زمان در باغ رخسارت گلی دیگر شگفت
یارب از گلزار تو ہرگز گلی چیدن توان
از غمت مسکین محیّٰین ہر دم بدردے مبتلا است
اے طبیبِ عاشقاں بیمار پرسیدن توان

عشقت دل و جانم را تا کرد جدا از من
جان و دل من دیگر نشناخت ترا از من

بر شمع جمال تو پروانه صفت گشتم
یک شعله پدید آمد بستاند مرا از من!

شب تا به سحر هستم اندر حرمت محرم
چون روز شود پوشی رخسار چرا از من

هر چند که وا گشتم او در پئے من آمد
او کرد وفا افزون چون دید جفا از من

تا از کف آن ساقی یک جام بقا خوردم
بزدود مئے وحدت زنگار فنا از من

منصور صفت گرچه زین دیر فنا رفتم
صد نور همی گیرد آن دار بقا از من

خواهی که رخش بینی در چهرهٔ من بنگر
من آئینهٔ اویم او نیست جدا از من

دل هست اویس قرنِ اندر یمنِ قالب
بشنو ز مشامِ جان آن بوئی خدا از من

گفتا که چو برگیرم برقع ز جمالِ خود
دانی که ز می باشد مستیٔ تو یا از من

گفتم چو معین زین می صد جام اگر باشم
دم در کشم و ناید چون کوه صدا از من

مران چون ز د توآیم توئی وسیلۂ من
منم چو آئینہ و حسنِ تو جمیلۂ من!

دران زمان کہ زیاران و دوستان بیرم
تقربم بتو بہتر کہ با قبیلۂ من

تو کار بندہ بتد بیر خویش سازی بہ
کہ مشکلات کجا حل شود بہ حیلۂ من

کجاست عشق کہ تا بگذراندم ز حجاب
کہ سدِّ راہ شد این عقلِ پر عقیلۂ من

ز قیدِ تن بچہ مانم بسانِ خر نجلاب
براقِ عشق چو بربستہ در طویلۂ من

چنان مرا بنجیا لت خوش او فتادہ وصال
کہ حور عین نتو اند شدن حلیلۂ من

بریز روغنِ عرفان درین زجاجۂ من
چراغ عشق برا فروز از فتیلۂ من

معین که دست تهی میرود و بدرگه دوست

مگر که همت کریم او شود وسیلهٔ من!

ولا بہ چشم حقیقت جمال دوست بہ بین
زمظہر ہمہ اشیا ظہور اوست بہ بین
دلا تو حسن خدا دیدۂ غلط نہ کنے!
کہ در جمالِ خدا جلوہ گر ہم اوست بہ بین
مراز دیدن ساقیست مستی اے ہشیار
نہ مستیم ز شراب و خم وسبوست بہ بین
بگوشِ ظاہر و باطن حدیثِ عشق شنو
بہ چشم صورت و معنی جمالِ دوست بہ بین
لب از حدیث فرو بند گوشِ جان بکشا
درونِ پردۂ دل این چہ گفتگوست بہ بین
مگر تو دعوئ عشقش ہمی کنے شا باش
تو فارغ از طلب واد بہ جستجوست بہ بین
بہ مغز جان معینی نہان شدہ است کسی
چنانکہ جانِ من اندر درونِ پوست بہ بین

سوخت از بهر تو جان و جگر سوختگان
این چه روزست که آمد بسر سوختگان!
سوخت سر تا قدمم جمله درین دوزخ هجر
به محمدؐ که رساند خبر سوختگان
دیده خون ریخت زسوز و به جگر آب نماند
آتش افتاد درین خشک تر سوختگان
اے کہ ہر شب بدلم آتشِ دیگر زدهٔ
هم بیندیش ز آهِ سحرِ سوختگان
بر جگر داغ نهادی و دگر می ریزے
به شکر خنده نمک بر جگرِ سوختگان
هم دمم نیست بجز ناله و آهِ سحری
هر که باشد به گریزد ز برِ سوختگان
آتشِ عشق معین شعله چنان زد بر دل
که بود دوزخِ سوزان شررِ سوختگان

این درد که من دارم باکس نتوان گفتن
سوزِ دلِ عاشق را باخس نتوان گفتن

پیشِ دلِ خود گہ گہ دردی تو ہمی گفتم
دل نیز رمید از من زین پس نتوان گفتن

ہرچند تنِ زین درد واپس ترم از ہرکس
چون پیش تو جان بازم واپس نتوان گفتن

بردار دلم از تن تا صید کنم جان را
شہباز ہمایون را کرگس نتوان گفتن

بیمار لب لعلت بر بسترِ خون خسپد
بالینِ غریبان را اطلس نتوان گفتن

تقصیر بسی دارم پیش تو ولی عیبم
در ردیم اگر گوئی در پس نتوان گفتن

سرِّ غمِ عشقش را با خلق معین کم گوی
احوال سلاطین را باکس نتوان گفتن!

از پس پرده جمالی می نماید کیست آن !
آن که یک یک پرده از رخ می کشاید کیست آن

تا یکی چون احولان بینی لباسِ مختلف
آن که هردم در لباسی می نماید کیست آن

جامِ می برکف نهاده عکسِ خود دیده دران
هر زمان در بادۂ مستی می فزاید کیست آن

من یقین دانم که بیرونست او از شش جهت
آن که هردم از رہ دیگر در آید کیست آن

در مقابر خانۂ عشق از متاعی هر دو کون
هرچه دید اندر کف دل می رباید کیست آن

گر ندارم هیچ اما عاشق آن دلبرم
کو دهد مر عاشقان را هرچه باید کیست آن

چون نگیرد ظلمتِ غم ساحتِ دل شامِ هجر
آن مهی کز برجِ جان ناگه برآید کیست آن

گل بہ تخت ناز و حشمت خورده گیری می کند
بلبلی کاین جا زبان در ہم نخاید کیست آن
گر بہ صورت ہم چو بلبل محو گل گشته معین
آن که در گلزار معنی می سراید کیست آن

می دمد بوئے ندانم تا کدامین بوستست این
بوئے عشق ست این که می آید ز سوئ دوست این

جان چو بویش بشنود بر خود بدرد پیرهن
روحِ پاک ست این نمی گنجد درونِ پوستین

این چه نورست این که جان چون ذره سرگردان اوست
آفتاب این نور کی دارد جمالِ دوست این

این همان جانست کورا هر طرف می جست دل!
کین زبان لب بر لبم بنهاده و بر روست این

بر دل عاشق زند هر لحظه عشقش نشتری!
زخم آن نشتر ببین بنگر چه خوش داروست این

دل که بر خوانِ وصالِ دوست بنشیند کراست
خام شوری دارم اما زان سگانِ کوست این

بادهٔ هو چون هیاهو ریخت بر جان معین
از دلش تا عرش صد جا نعرهٔ یاهوست این

تن میان خلق و جان نزد خداوند جہان
تن گرفتار زمین و روح در ہفت آسمان

تن نشانہ گشت تیرِ حادثات دہر را
روح اندر خلوتِ خاص از دو عالم بے نشان

گوہری در خاتمی می بود یک قرنے قرین
شد جدا از خاتم و آمیخت ہم با اصلِ دکان

قطرۂ برداشت ابرِ قدرت از دریای جود
باز آن قطرہ بدریا رفت و شد ہم رنگِ آن

قطرہ را گر ابر از دریا نبردی در ہوا!
دُرِّ شہوار از کجا بودی بگوشِ مہوشان

گوہری آورد در بازار عالم در فروخت
ہم بخود دلال گشت و خود خریدار خود نہان

از پسِ پردہ معین بنگر کہ از سلطانِ غیب
عشق خود با خود ہمی نازد بنامِ عاشقان!

آتشِ عشقِ تو در جانِ من افتاد کنون
رفت آرام و قرارِ همه برباد کنون

آن که بر هر رگِ جان زخم تو خوردم چون چنگ
چه عجب گر کنم از دستِ تو فریاد کنون

گرچه دل در خمِ چوگانِ بلا افتاد ست
جز تحمّل چه توان کرد چو افتاد کنون

شاهِ عشق آمد و شهرِ دلِ من ویران کرد
لیک صد گنج بهرِ زا ویه بنهاد کنون

خلق گوید که این شهر چرا ویران شد
وه که ویران نشد این بلکه شد آباد کنون

مدّتی بستهٔ زندانِ طبیعت بودم
دستِ غیب آمد و بندم همه بکشاد کنون

ساقیٔ بزمِ خدائی درِ میخانه کشاد
صد هزاران خُمِ خمخانه به من داد کنون

تاریخِ ساقیِ ما پردۂ عزت برداشت
طور ہستی مرا کند زبنیاد کنون
آن ہمہ بادہ کہ از جامِ صفا خوردہ معین
ہم چنان از طلبِ خویش نہ استاد کنون

من نہ آن رندم کہ از می سرگران خواہم شدن
گر نہی لب بر لبم مست آن زمان خواہم شدن

حالیا باری چو نی دم درکشیدم در فراق
چون لبت بوسم من آن دم در فغان خواہم شدن

این زمان مستم ز من از غمزۂ ساقی مپرس
چون شوم ہشیار در شرح و بیان خواہم شدن

من ہمی گفتم چو بینم گویمش احوالِ خویش
من چہ دانستم کہ آن گہ بے زبان خواہم شدن

زورقم شد غرق دریا بحر آشنائی مشکل ست
یارب از گرداب حیرت برکران خواہم شدن

بے نشان گشتم من اندر جستنِ آن بے نشان
عاقبت در پی نشانی بے نشان خواہم شدن

گفتمش بہر تو تا کی در جہان خواہم دوید
در طلب تا چند نزدِ این و آن خواہم شدن

گفت زین وآن چہ جوئی جز خود از آن کہ من
در تنت چون جان ز پیدائے نہان خواہم شدن

آئینہ ہستئ خود را صیقلے میزن کہ من
گرچہ پنہانم ولی آخر عیان خواہم شدن

ہا از من صلاح و عافیت دیگر مجوی
زانکہ من در عشق رسولئے جہان خواہم شدن

گر امید دیدنش نبود من از کنجِ جحیم
واللہ از ہر سوی خلد جنان خواہم شدن

از مضیقِ کن فکانم کی بود دانی عبور
آن زمان کاندر فضائی لامکان خواہم شدن

نقدِ کونینم بکف گر ولیست بر دامان جان
آستین افشان برون زین خاکدان خواہم شدن

ذرۂ خاکم ولی با مہر دارم دوستے !
پائے کوبان تا فراز آسمان خواہم شدن

از نفخت فیه من روحی دمیدے دمعین
لاجرم چون روح قدسی جمله جان خواهم شدن !

رسید یک نظر از شاهِ دل نواز بمن
فتاده سایۂ آن سروِ سرفراز بمن

همائی قدس که بودیم سایه پرورِ او
هزار شکر که افگند سایه باز بمن

دلم چو فائزِ آسیب روزگار شود!
رسد ز فیضِ تو صد گونه اهتزاز بمن

مرا که پایۂ جاهست فوقِ نه طارم
ز خدمتِ تو رسیدست اعتزاز بمن

زمینِ دولتِ سلطانِ عاقبت محمود
اگر رسد چه عجب منصبِ ایاز بمن

چو رو به عالمِ غیب آورم باستقبال
عرائسِ فلک آیند پیش باز بمن

بگوئیت که بوقت ظهورِ سرّ وجود
رموزِ عشق چه گفتند اہلِ راز بمن

که تا مقیدِ قیدِ وجوب و امکانے
نیاز روئے تو دارد چنان که ناز بمن

چگونه سود توان برد از دکان که درو
قناعت ست بمثقالِ حرص و آز بمن

نشسته منتظرم تا که پرده دار جلال
بدستِ غیب کشاید درِ فراز بمن

زدوده زنگ تن از جانِ جان کند جلوه
حقیقت تو در آئینهٔ مجاز بمن

وفا ز عمر چه جویم که هر نفس که زدم
چنان برفت که دیگر نگشت باز بمن

بهر دمی قدمی میزنم ولی چه کنم!
که عمر کوته دره می شود دراز بمن

متاع جان و جهان می برد بشند بر غم
دگر غنیمت بیاید بترک و تاز بمن

ہر آنچہ سوخت بسازد چنین شنیدستم
ایا سپہر کہ میسوزیم بساز بمن
بود کہ ختم سعادت کند بخود واجب
چنان کہ فاتحہ در ختم ہر نماز بمن
سپہر با تو نسازد معین تو سوئے حق
نگر کند نظر لطف کارساز بمن

من شراب عشق را پیمانه ام ای عاشقان
آن پری را دیدم و دیوانه ام ای عاشقان
زان فسون کان لب بگوشم خواند در روز ازل
در زبانها تا ابد افسانه ام اے عاشقان
گفتمش بنمائے رخ گفتا که دیدار مرا
دیده باید در نه من پنهان نه ام ای عاشقان
من چو حسنِ بتگر اندر چهرهٔ بت دیده ام
بعد ازین سر بر درِ بت خانه ام ای عاشقان
جذبهٔ نورِ جمالش می کشد سوئے خودم
گوئیا او شمع و من پروانه ام ای عاشقان
اندرین کاشانهٔ ویرانه کی منزل کنم
من که بادشاه جهان هم خانه ام ای عاشقان
با دل اشکسته گفتم تو کجا و آو کجا!
گفت او گنج ست و من ویرانه ام ای عاشقان

تن چو بحر و دل صدف دلبر چو دُر پنداشتم
نی که او بحر است و من دُر دانه ام ای عاشقان

تا تنم دل گشت و دل جان گشت و جان جانانه شد
نی تنم نی دل نه جان جانانه ام ای عاشقان

گر میانِ ما و ساقی صد هزاران پرده است
میدراند نعرهٔ مستانه ام ای عاشقان!

تا معین گشت آشنا با یارِ خود اے دوستان
من دگر اندر میان بیگانه ام ای عاشقان

تن چو از خاکست او را خاک می باید شدن
جان ز افلاکست بر افلاک می باید شدن
گر نه خواهی ورنه در آتش بباید سوختن!
چون زر مغشوش کورا پاک می باید شدن
در طریق عشق وادیهاست کاندر قطع آن
کاهلی کے می توان چالاک می باید شدن
اے دل از تیر قضا تا کے توان کردن حذر
هم چو صیدت بستهٔ فتراک می باید شدن
گر عروج جان معینی بایدت برتر فلک
در رکاب خواجه لولاک می باید شدن

چشمه سارِ دل که شد محجوب خرسنگ بدن
تیشهٔ بردار و این خرسنگ را در هم شکن
آب حیوان ست اندر ظلمتِ هستیٔ تو
ماهیٔ شوخ ویش را در آبِ حیوانی فگن

وه چه سوز ست این که ماهی می طپد از بهر آب
با وجود آن که دارد در دلِ دریا شکن
گرچه ماهی بر سر تابه بسوزم جای آن ست
زین همه آتش که افتاد ست اندر جان من

دل مرا در سینه می سوزد همه شب تا بروز
ز آتشِ هجرانش چون شمعی که سوزد در لگن
لیک چون شمعی که بر بالین بیماران بود
نی چو آن شمعی فروزان درمیان انجمن

بلبل جانم که می نالد بدام آب و گل
نوحهٔ غم می سراید بهر مرغانِ چمن

چون ز باغِ وصل آمد سوئے زندانِ فراق
جائے آن دارد کہ نالد از پئے حبِ وطن

بلبلا تا چند می نالی درین مجلس سرائے
قوت از بازوئے حق جو دین قفس در ہم شکن

محنت ہجران بہ یعقوبؑ از کہ پیراہن رسید
عاقبت ہم مژدۂ وصلت رسید از پیراہن

چون تو مرآتِ خدائی ہر چہ ہست از خیر و شر
اندرین آئینہ می بین و بر ویش دم مزن

چون دلِ مسکین معینؔ آئینۂ تست اے کریم
آئینۂ خود را صفائی دہ ز نورِ خویشتن

اے صدائے بلبلان در صحنِ بستان حمد تو
دی نوائے مرغِ جان در باغِ ایمان حمد تو

تابِ خورشیدِ شہود افتاد در قصرِ وجود
گفت ذرّاتِ جہان پیدا و پنہان حمد تو

قرعۂ قسمت دران روز یکہ می انداختند
نعمت آمد قسمِ جسم قسمتِ جان حمد تو

مشکل از شکرش ہمیں نعمت بر دن آیم کہ چون
بر زبانِ قاصرِ من گشتہ آسان حمد تو

گر نبودی حمد معراجی ز قصرِ قربتت
کی شدی سر دفترِ الفاظِ قرآن حمد تو

حامدان گر عرش را در مدح فرش رہ کنند
زاوجِ عزت پایۂ ناید بپایان حمد تو

گنگ شد مسکین معینؔ ہم خود ثنائی خود مگو
بہتر آن باشد کہ من گویم بد بیشان حمد تو

من نمی گویم اَنَا الحق یار می گوید بگو
چون نگویم چون مرا دلدار می گوید بگو

هرچه می گفتی بمن هربار می گفتی مگو
من نمی دانم چرا این بار می گوید بگو

انچه نتوان گفتن اندر صومعه باز اهدان
بی تحاشی بر سر بازار می گوید بگو

سر منصوری نهان کردن نه حد چون منست
چون کنم هم ریسمان هم دار میگوید بگو

گفتمش رازیکه دارم باکه گویم در جهان
نیست محرم با در و دیوار می گوید بگو

آتش عشق از درخت جان من برزد علم
هرچه با موسی بگفت آن یار می گوید بگو

گفتمش من چون نیم درمن مدرم می دری
من نخواهم گفتن این اسرار می گوید بگو

ای صبا گر پرسدت کز ما چه می‌گوید معین
این دوئی را از میان بردار می‌گوید بگو

نورِ تجلّی میرسد ای طورِ دل صد پاره شو!
ای مرغِ جان بشکن قفس زین خاکدان آواره شو

به نهاد استاد ازل بنیادِ این قصر ترا
بگذر ز نقشِ آب و گل حیران آن گل کاره شو

این هفت کوکب از فلک بر آب و گل تابد ولے
تو نورِ جان و دل طلب بالائے هفت استاره شو

خواهی خمارت کم شود ساقی طلب نه جام مے
درهم شکن خم و سبو اندر پئی خماره شو

در کوئے بدنامی مرا پیوند شد با دلبری!
این خرقهٔ ناموس من گو صد هزاران پاره شو

گفتی چو بے چاره شوی آنگه ترا چاره کنم
واللہ که بے چاره شدم بیچارگان را چاره شو

تا چند در مهد زمین چون کودکان باشے معین
بر چین بساطِ ماءُ طین وارسته از گهواره شو

آئینهٔ وجودم چون گشت مظهرِ تو
گرچه نبود قابل شد خوب در خورِ تو

خورشید بودی و من آئینهٔ ز آهن
گشتم چو ماه روشن اندر برابرِ تو

هرجا که رخ کشودم حسنِ تو می نمودم
هر ذرّه از وجودم چون گشت مظهرِ تو

گفتم ز خود خبر کن گفتا ز خود گذر کن
وانگه بخود نظر کن تا کیست در برِ تو

بگذر معین ز کثرت اندر مقام وحدت
آن شاه تاجِ عزت بنهاد بر سرِ تو

بیا در بزم اَذ اَدُنی یکی حرفی ز من بشنو
وزان اسرارِ ما اَدُحی یکی طرزِ سخن بشنو

اگر اسرارِ وحدت راز من باور نمی داری!
تو گوش هوش خود بکشائی و بے کام و دهن بشنو

برافگن نور ظلمت را ز ره بردار کثرت را
پس آنگه سرِ وحدت را تو هم از خویشتن بشنو

نیازِ عاشقان و نازِ معشوقان چه می پرسی
زبان چون سوسے گنگ ست از مرغِ چمن بشنو

گهی کز شوق می نالم خبر کے دارم از عالم
رخی به خاک می مالم که اے جان دردِ تن بشنو

جوابی می رسد هر دم بگوش من ازان عالم
که من راز تو بشنیدم تو اکنون رازِ من بشنو

معین درکش می باقی نه لب بر لبِ ساقی
پس آن گه دردِ مشتاقی ازان خوبِ ختن بشنو

نعلین ز پا بفگن در عرشِ معلّا رو
آن جائے کہ جان نبود بے جا شو و آن جا رو

اے قطرہ تو از بحری ہر چند جدا افتی
گر سر بہ فلک سائی ہم جانبِ دریا رو

مرغِ دلِ ہر زاہد تا باغِ جنان پرّد
اے دل تو از آن بگذر بر قبۂ اعلا رو

مانند چغد تا کے بر ہر جائی پرّی
چون بال و پری داری بر پرسۂ بالا رو

ای بی ادبِ مسکین زافعال چہ می جوئی
تعلیم خدا خواہی در مکتبِ اسما رو

گفتی کہ برد از من پنہان ست نمی یابم
زان راہ کہ می دانی اندر دلِ شبہا رو

چون جانبِ ما آئی ہم راہبرت مائیم
ہمراہ مجو جز ما چون می روی با ما رو

این قید حدوث از پا بردار متعین یک یک
زان ره که رسیدستی هم در پی خود وا رو

در آئینۂ جانم به نمود خیالِ تو
بگیخت دل از عالم از شوقِ جمالِ تو

من محنتِ ہجران را امروز خرید ارم
سرمایۂ سودِ من سودائے وصالِ تو

ایوانِ مرادِ ما از عرش فزون باشد
زان مور صفت خود را بستیم ببالِ تو

از خونِ دلِ عاشق می نوش بجائے می
در مذہبِ عشق آمد این بادہ حلالِ تو

ناقص نشود کامل ہرگز بہ کمالِ خود
بگذر ز کمالِ خود این ست کمالِ تو

در صدر وصال آرند عشاق معینی را
رہ نیست روا باشد در صف نعالِ تو

از مطلعِ دل زد علم یک لمعه از رخسار او
شد ذرّه ذرّه هستیم در پردهٔ انوار او

یا آن که ذرات تنم هر یک هزاران دیده شد
یک ذرّه هم دیده نشد از پرتوِ رخسار او

حسنش چو آید جلوه گر طاقت نیارد چشم سر
از دیدهٔ دل کن نظر تا بنگری دیدار او

عشقش نهال باغ جان میوه وصال جاودان
تو بر نخواهی خورد زان هم اوست برخوردار او

بگذر ز کوئے آب و گل در رو بقصرِ جان و دل
یا سرِّ خود بین متصل سرّے هم از اسرار او

عاشق ز راهِ معرفت بگذشته از فعل و صفت
وین عاقل و غافل صفت سرگشته در آثار او

اظهارِ حسنِ دلبری می بین ز هر مه پیکری
پیداست در هر مظهری آن حسن و آن اظهار او

منصور کی بود آن زمان کاورد اناالحق بر زبان
زنهار غیرِ حق مدان دیار اندر دار او !

گویند یارِ یار شو تا چند باشی یار خود
نی نی که یار خویش شو تا چند باشی یار او

پر شد جهان یکسر ازو شد نیک و بد منظر ازو
مومن ازو کافر ازو در قیدِ نور و نار او

خواهد کند در خود نظر آئینه سازد از بشر
بازش کند زیر و زبر حیرانم اندر کار او

در ظلمت آباد عدم یک شعله ز انوار قدم
در هر دلی کوزد علم از جان نمود اقرار او

در پردهٔ آتش مگر حسنِ تو آمد جلوه گر
پیرِ مغان کرد آن نظر کس چون کند انکار او

ترسا سویت، بشتافته بوی از چلیپا یافته
زلفِ تو برهم تافته آن حلقهٔ زنارِ او

مسکین معین در یک غزل بنمود اسرار ازل
بشنو کلام لم یزل در کسوت گفتار او

هستی طلیعه ایست ز نورِ وجودِ او
کونین شبنمےست ز دریای جودِ او

در جنبِ آفتاب کجا ذرّه را بقاست
اندر جوار سایه نماید وجودِ او

نا ورد چون صدف گهر وصل او بکف
تا دل نگشت غرقهٔ بحرِ شهودِ او

ز آئینهٔ دلست نمودارِ حسنِ دوست
زنگِ وجودِ تست حجابِ نمودِ او

گه شعلهٔ ز عشق که در جان خود زنم
تا ار هم ز ظلمتِ هستی و دودِ او

عاقل چه پی برد که فنا مایهٔ بقاست
واندر زبان عقل نها وند سودِ او

از تارِ عنکبوت چه پروا همای را
دامیست بهرِ صیدِ مگس تار و پودِ او

بینی چو جان ز قید حوادث بدر پرد
بر ذرۂ وی نی فتد الی صعود او

از روح خاص خویش دمیدی در آدمی
ورنہ کجا ملائکہ کردے سجود او

از گنج عشق بردہ جہان مایہ دین عجب
کاندر دو کون یافتہ ہیچ از نقود او

باشد جہان و مانہ غم خویش خور معین
تا چند غم خوریم ز بود و نبود او

پیش ازان کاستا د فطرت فرش وایوان ساختہ
پایۂ قدرت فرازِ کون وامکان ساختہ

قالبِ آدم چو از خوابِ عدم برداشت سر
خاکِ پایت طوطیائی دیدۂ جان ساختہ

ہم چو بسم اللہ برمنشور قرآنت خدائے
تا قیامت ہم عنان مانندِ عنوان ساختہ

اندران عنوان دو رحمت کردہ ظاہر اندرین
جسم وجانت رحمتے برانس و بر جان ساختہ

دشمنان از کینِ تو برنارِ حرمان سوختہ
دوستان از مہرِ تو با نورِ ایمان ساختہ

شہسوارِ دلدلِ شو تیکہ در میدانِ چرخ
عشق از بدرد ہلالت گوی و چوگان ساختہ

خواجۂ عالم تو بودی لاجرم بنّاے صنع!
از برایت چتر و طاقِ ہفت ایوان ساختہ

دُرِّ وحدت را کہ می جویند در بحرِ قدم
حق درونِ حقہٗ جسمِ تو پنہان ساختہ

از برائے ما حضر پیش گدا یا نت خدائے
ہشت جنت با ہزاران حور و غلمان ساختہ

راہ جنت گرچہ دشوارست پیش دیگران
بر طلب گارانِ این امت چہ آسان ساختہ

نارِ نمرودی برا براہیمؑ گر شد گلستان!
آتشِ دوزخ براین امت گلستان ساختہ

بہر فرزند خلیل ار گوسفند آمد فدا
بہر این امت فدا از نوعِ انسان ساختہ

گوہرِ وصلش بنقدِ ہر دو عالم می خرند
لیکن از بہر گدایانِ تو ارزان ساختہ

یا رسولَ اللہ بحالِ عاصیان کن یک نظر
تا شود زان یک نظر کارِ فقیران ساختہ

رحمة للعالمینی بر معینی رحم کن !
کز جهالت خویش را محکوم شیطان ساخته

ای کوسِ دولتِ تو ملک بر فلک زده
عشقت علم به سینهٔ هر یک بیک زده

آئینه دارِ طلعت تو بوده آفتاب
خرگاه زر طناب ازان بر فلک زده

مه لاف حسن زد به فلک لاجرم شکاف
از پنجهٔ سیاست تو آن فلک زده

از صفحهٔ سپهر نشد حل مشکلت!
زان نسرِ واقعش سه نقطه بهرِ شک زده

دیوے کہ کرده خدمتِ دولت سرائے تو
در اوجِ کبریائے تو پر بر ملک زده

دانسته نقدِ بغیش صاحب عیار چیست
صرافِ عقل نقدِ تو چون بر محک زده

در بزمِ خاصِ محرمِ الا اللہ آمده
چون تیغ لا نبارک هر مشترک زده

در نعت خواجهٔ دو سرا روز و شب معاین
کوس محبتش ز سما تا سمک زده

یک قطره بحرِ قدرتش بر هر دو عالم ریخته
وان قطره صد دریا شده در کامِ جانم ریخته

نورِ تجلّی زد علم هر صبح از برج قدم!
کوه وجودم لاجرم چون طور از هم ریخته

از جمله ذرّاتِ جهان نورِ تجلّی بین عیان
زیراکه بحرِ بیکران در طرف عالم ریخته

چون برزند خورشید سر حقا که نگذارد اثر
موجِ هوا شب تا سحر چندان که شبنم ریخته

شہ چون خود د جامِ صفا بر خاک ریزد جرعہا
زان حق شراب عشق را بر خاک آدم ریخته

من عاشق دیوانۂ در می کشم خمخانۂ!
زان می که یک پیمانۂ بر عرش اعظم ریخته

نار محبت از ازل می سوخت تا روز اجل
دل را که عشق لم یزل در بوتۂ غم ریخته

چشمے کہ از انوارِ اومی بود بر خوردار او
از حسرت دیدار او اشک دمادم ریخته
عشق از ورائ نہ فلک آتش زد اندر یک بیک
وانگہ بداغ مانمک بر جائے مرہم ریختہ
خومی دمی در دل ازان می ریزد اسرارِ زمان
چون خدرۂ آہنگران کز ضربتِ دم ریختہ
درتافت خورشید یقین از مطلع جان معین
واللہ کہ فیضی این چنین بر ہر دلی کم ریختہ

جانے که نه ذاقش مزهٔ عشق مزیده
از لطف گریزان شده در قهر خریده

در قیدِ تعلق نتوان داشت بصد بند
مرغے که ز دامِ سرِ زلف تو پریده

سالک که در اول قدم این ره نشدش طے
ره رفته بسی لیک بجائے نرسیده

از گلبن غم خارِ ستم خورده ننالید
آن دیده که در گلشنِ جان رُخِ تو دیده

جانم چو گل از غنچه برون آید از آن باد
گو وقتِ سحر پرده ز روئے تو کشیده

کو محرمِ جان تا ز دل آرم به زبانش
آن نکته که گوشم ز لبِ عشق شنیده

دریائے کرم موجِ محبت زده صد بار
درها همه در رشتهٔ جانِ تو کشیده

دانی کہ بہ جنت چہ بود لولوئ منثور
آن دانۂ اشکے کہ زچشم تو چکیدہ

از بزم الست آمدہ سرمست مجیبؔ
زان جرعہ کہ جانش زمئ عشق چشیدہ

اگر به چشمِ حقیقت وجودِ خود بینی
قیامِ جملهٔ اشیا به بودِ خود بینی

وجود هیزمیت نارِ موسوی گردد
اگر برون کنی از سرِ تو دودِ خود بینی

ز قعرِ لجهٔ توحید دُرِّ عشق برآرا
که گنجِ مخفیِ حق را نقودِ خود بینی

به قصرِ عشق ترا پایه از سرِ جهد است
که تختِ هر دو جهان را فرودِ خود بینی

تو چون فرشته نظر بر جمالِ دوست گمار
نه چون لعین که همین در سجودِ خود بینی

ازین حضیضِ دنائت چو بگذری شاید
که تا دنی فتدلی صعودِ خود بینی

بیاز خانه برون آ و نورِ دوست نگر
تو چند شیشهٔ سرخ و کبودِ خود بینی

اگر ز آئینۂ زنگِ حدوث بزدائی
جمالِ شاہدِ حق در شہود خود بینی

بہ بند دیدہ ز اعیان کہ تا ز عینِ عیان
وجود دوست چو جانِ وجودِ خود بینی

بیا بہ بزم گدایان شہ نشان خودیست
کہ تا نتیجۂ احسان وجودِ خود بینی

درآ بہ مجلسِ مسکین معین شوریدہ
کہ نقل و بادہ ز گفت و شنودِ خود بینی

گوہر عشق چو در چشمۂ تن می طلبی
دل چو دریا کن اگر دُرِّ عدن می طلبی!

چہ روے دشت و بیابان سوۓ آہوی تتار
زلف او بوئ اگر مشک ختن می طلبی

بارِ عشقی تو درین دام گہ آرام مجوی
سوئ او باز پرار زان کہ وطن می طلبی

نکتۂ جستم از ان منطقِ شیرین بہ سوال
گفت بنگر کہ کلامم بچہ فن می طلبی

من نہ جانم نہ دلم نی بدنم چیند مرا
گہ ز جان گاہ ز دل گہ ز بدن می طلبی

بر سرِ عرش دویدم کہ بگو یار کجاست
گفت با تست شب و روز زمن می طلبی

عاقبت پردہ برافگند کہ ہان بیشتر آہی
جام می گیر اگر شرم شکن می طلبی

گیر در دارِ بقا حبل انا الحق در دست
چند در دیرِ فنا دار و رسن می طلبی

عندلیبِ چمنِ عشق شوے طائرِ قدس
گر تماشای گل و صحنِ چمن می طلبی

خانہ خالی کن از اغیار و بجو یار معینؔ
کین محالست کہ ضدین معاً می طلبی

چو از جمال نقابِ بطون بر اندازی
دران ظهور وجودِ مرا عدم سازی

ز نورِ حسن چو رخسارِ شمع آرائی
مکن ملامتِ پروانۂ بہ جان بازی

نقوش مهرِ تو از مهر دل نخواهد رفت
اگر در آتشِ عشقم چو موم بہ گذاری

چو چنگ می کشم این گوشمالِ زخم فراق
مرادم آن کہ بزم وصال بہ نوازی

سپاه دردو بلا صف کشند از چپ و راست
بہ قلب ما علم عشق چون بر افرازی

همین دلست کہ آئینہ است در دستش
گهی چو گوئی بهر جانبی کہ می تازی

دلی مظاهر داعیان چو رخت بر بستند
تو خواه آئینہ سازی و خواه گو بازی

هر آئینه که تو عکس جمال خود بینی!
اگر در آئینهٔ دل تجلّی اندازی

رموز عشق دلم از تو یا تو می گوید!
چرا که هم چو نیش همدم و هم آوازی

بغیر راز دلِ خود نمی توانم گفت!
تو راز من شنوی به که محرم رازی

معین به یک نظر از خاک برگرفتهٔ تست
بدان امید که باز از نظر نیندازی

اے کہ اندر عین پیدائی نہانی کیستی
ہر چہ در فہم و گمان آید نہ آنی کیستی

جملۂ اشیا ز حدِ وصف شد معلوم خلق
اے کہ بیرون از حد وصفِ بیانی کیستی

اے کہ در ہر مظہری نوعی ظہوری کردۂ
در لباسِ جملۂ اعیان عیانی کیستی

نی بدن از تو خبر دارد نہ جان از تو اثر
تو چو جان ازبسکہ پیدائی نہانی کیستی

اے کہ ہم چو شہد و شیر اندر رگ جانی روان
جانِ شیرینِ منی یا جانِ جانی کیستی

منزل یَسْمَعُ دَ بِیْ ینطق بہ عالم در زدی
اے کہ سمع و نطقِ ہر گوش و زبانی کیستی

جملہ ذراتِ جہان ہر یک نشان ذاتِ تست
با وجود این نشانہا بے نشانی کیستی

در فراق آزار ریش دردمندانی ولیک
در وصال آرام جان عاشقانے کیستی

جام ششش روئ جهان از عکس رویت روشن ست
تو برون از شش سوی کون و مکانی کیستی

من بجست و جوئ تو هر دم روم دیوانه وار
وی عجب هر سو روم با من روانی کیستی

با معینی گفت هر سو تا بکی خواهی دوید
هم ز خود جو هر چه خواهی تا بدانی کیستی

تو مظهر لمعات جمال معبودی!
ولی دریغ کز آئینه رنگ نزدودی

درخت هستیت از نار عشق پاک بسوز
که تا تمام نسوزی مقیدِ دودی

چو مفردان مجرد ز پردها بدر آئی
چو بیوگان چه گرفتارِ تاری و پودی

زیان و سود چو در دست اختیارِ تو نیست
زیانِ تو هم ازان شد که طالبِ سودی

عدم وجود نگردد که در حقیقتِ حال
مجاز بر تو نهادند نام موجودی!

سحر ببامِ فلک طبلِ عشق می کوبند
چه شد که یک سحر آوازِ طبل نشنودی

درآ به عرصهٔ میدان که در بدایتِ حال
زجمله منتهیان گوئ عشق بربودی

تو قدر خود به ازین دان که در ہوائے فضل
ہمہ طفیل تو اند و توئی کہ مقصودی

ہنوز آدم و عالم نبود نام و نشان
که در سراچهٔ وحدت جلیس حق بودی

ملک به سجدهٔ آدم قیام نه نمودی
اگر عیان نه بدیدی جمال معبودی

شهید عشق شوے دل که نزد اہل شہود
یکی ست مرتبهٔ شاہدی و مشہودی!

اگر بکوه رسد قطرهٔ رود از جائے
ز بادهٔ که بما بے دریغ پیمودی!

کدام باده قوی تر ازین تواند بود
که حسن خویش بما بے حجاب بنمودی

ز ذره ذره شنو نعره ہائے منصورے
کنون که از رخ تابان نقاب بکشودی

هلاکِ من ز تو و اجتناب از تو محال
مریضِ عشق ندارد امید بهبودی!
هزار بار کشیدم هزار بارِ غمت!
تو بارِ دیگر و بارِ دگر بیفزودی
ز بارِ عشق ننالد معین دلی خودگوی
که پشه چند کشد بارِ پیل محمودی

بخدا غیرِ خدا در دو جهان نیست کسی
صد دلیل ست ولی واقف ازان نیست کسی

نکتهٔ سرِ محبت چو نهان از من و تست
لاجرم در صددِ شرح و بیان نیست کسی

مسندِ عزت و خلوت گہِ وحدت خالی ست
از ازل تا به ابد درخورِ آن نیست کسی

لاجرم عاشق و معشوق ز خود ساخت پدید
تا که بر وی بجز از وی نگران نیست کسی

این همه زمزمه کز سعیدهٔ خود می شنوی
تو چه گوئی که درین خانه نهان نیست کسی

زنده دل را چه غم از رفتنِ جان روز ازل
زان که دل زنده بایں روحِ روان نیست کسی

دل و جان عارتیم گر برود عمرِ تو باد
اے حیاتِ دلِ من غیرِ تو جان نیست کسی

دعوی عشق درین معرکه هرگز نکند
اگر از جان و دل خویش به جان نیست کسی
بارِ عشق تو معینی بدل و جان بکشد
که هوادارِ تو تنها به زبان نیست کسی

اگر ز مستیٔ خود چشم دل فراز کنی!
نخست دیده بدیدار دوست باز کنی

دمی ز هستیٔ خود بگذری به از صد سال
که روز روزه بداری و شب نماز کنی

چو سرِ دوست طمع گر کنی ز خود کوتاه!
سزد که پایٔ درین انجمن دراز کنی

بلندیت به تواضع نهاده اند بکبر
تو خویش را نتوانی که سرفراز کنی

ز کعبتینِ فلک نقدِ جان نه خواهی برد
چو عرضِ شعبده با چرخِ حقه باز کنی

به نازکی به بری پی بمنزلِ مقصود
مگر سلوک رهش از سرِ نیاز کنی

گرت به ناز براند مرد که آخرِ کار
بصد نیاز به خواند ترا و ناز کنی

ز بندگی به نشینی به تخت سلطانی

اگر تو خدمتِ محمود چون ایاز کنی!

مرا اے ساقی وحدت بدادی جرعہازان مے
کہ ہردم از ہیاہو یش . برآید از دلم ہی ہے
مگر اے خم چہ می جوشی چو می دردی تو می زیزی
مگو ای نی چہ می نالی چو ہم خودمیدمے دردے
چہ بادست این نمی دانم کہ جام دل بہ یک جرعہ
چنان از رنگ صافی شد کہ دیدم یار را ددے
بدیدم دلبری چون مہ شد از حسنِ ادو الہ !
مرا در برکشید آن گہ کہ از من می جہی تا کے
مقاماتی بدیدم من حکایاتی شنیدم من !
بحالاتی رسیدم من کہ کس آن جا نبردہ پے
زعقل خود . برون رفتم بہ بازار جنون رستم
بہ مے خانہ درون رفتم بدیدم خمہا پر مے
روان یک جرعہ پر کردم بہ یاد لعل او خوردم
فنا از خویش بستردم بقائی یافتم زان مے

نہ عصیان ماند نی طاعت شدم محو اندران ساعت
چنان گشتم در آن حالت کہ وی من گشت من ہم وے

معینی بس کن این دعوی کہ در دیوان آن مولیٰ
ہنوز از دفتر معنی نہ کردی یک ورق راسطے

گہی کہ از رخِ تابان نقابِ زلف کشائی
زعاشقان بنگاہی ہزار دل بربائی!

بیا ز پردہ برون ورنہ جملہ پردہ فگن
کہ نیست سوختگان را دگر شکیب جدائی

چگونہ صبر توان کرد در فراق جمالت
کہ ہر زمان بدلم صد ہزار بار درآئی

بہ یک حجاب کہ برداشتی دلم بربودئی
جہان نماند و جان ہم اگر جمال نمائی

دلا بہ مجلس مستان درآ و خاک شو آن جا
کہ جرعہ بتو ریزند از شراب خدائی

چو جرعہ خواری مستان حق نصیب تو آید
ز ہر حجاب کہ باشد تمام خود بدر آئی

بہ نیم جرعہ ز دل بر زند ہزار انا الحق!
خموش باش معینی نگر بخود تو کجائی

دلا چو محرمِ آن دلبرِ یگانه توئی!
قضا چو تیرِ بلا می زند نشانه توئی

وگر فروزد کانونِ عشق آتشِ شوق
شرارهٔ کہ بریزد ازان زبانه توئی

تنم چو دائره و نقطه درمیانه دلم
دلم چو دائره و نقطه درمیانه توئی

بگفتم از چه بهانه تو در حجابی گفت
وجودِ تست حجابِ من و بهانه توئی

همائ عشق به دامِ حدوث کی گنجد
چو مرغِ خانگی در قیدِ آب و دانه توئی

چو حلقه منتظری بر درونی دانی
که طالبِ خودی و در درونِ خانه توئی

معین برآئی به منبر بگوئی نکتهٔ عشق
که بلبلِ چمنِ عشق در زمانه توئی

قصیدہ !

در حمد

حمدی کہ ہم چو بحر کرم بیکران بود
حمدی کہ شکر نعمتِ ہر دو جہان بود

حمدی کہ در تضاعفِ ذرّات کائنات
چندان کہ مستزاد کنی بیش ازان بود

حمدے بدان مثابہ کہ ادراک کنہ آن
برتر ز پایہ خردِ خردہ دان بود

حمدی کہ چون عماری عزت کند روان
بر منکب ملائکہ حکمش روان بود

حمدی کہ در ہوائی ہویت ہمائی وار
بر تخت گاہِ ملک قدم سائبان بود

حمدی که ظل رافتش ار بر کسی فتد
بر مسندِ مقاصد خود کامران بود

حمدی که چون زحیطهٔ جان سر برون کند
هر تار موی بر تن ازان صد زبان بود

حمدی که چون قدم کشد از ضیق کن فکان
جولانگهش بناحیتِ لامکان بود

حمدی که چون زبان دهدش زیور بیان!
تحسینِ قدسیان همه نعم البیان بود

حمدی که در هواش ملائک فگنده پر
آن خود چه جای حوصلهٔ انس و جان بود

حمدی که نه ملک کند انشا نه انس و جان
بل خود به ذات خود متصدی آن بود

بادا نثار بارگهِ قدسِ کبریا
کان مصعدِ محامدِ قدوسیان بود

آن حمدِ نا قصیکہ بگویند بندگان!
کی در خورِ خدائے حقِ عزوشان بود

لا احصی ست تحفۂ خاصان در آن جناب
این گفتگو چہ لائق آن آستان بود

در اوجِ کبریاش فگندست بالِ عجز
آن شاہباز قدس کہ عرش آشیان بود

او بی نشان محض چہ جوئی از و نشان
ہر ذرّہ بر خدائی او صد نشان بود

چشمت چو نیست پردہ ز رخ کی بر افگند
صاحب نظر کجاست کہ او خود عیان بود

آن را کہ پردہا ز منظر بر گرفتہ اند
در صد ہزار پردۂ دیگر نہان بود

حقا کہ کوششے تو بجائی نمی رسد
گر بے کشش بہ جانب او ہر زمان بود

ستدِ وجودِ لشکن اگر مرد این رہے
ورنہ ہزار سالہ رہ اندر میان بود

او بود در ازل متوحد کہ در وجود
جزوی نبود تا بہ ابد ہم چنان بود

از مطلع وجود چو نورِ قدم بتافت
از ظلمت حدوث چہ نام ونشان بود

تا حسنش از دریچۂ ہستی نمود رُخ
زین گفتگو بہر سرِ کو داستان بود

ز آئینۂ وجود نماید بآب وخاک
آن صورتے کہ معنی روح روان بود

در نقطہ گاہِ خاک مبین جز باعتبار
کان مرکزِ محاذ ز ہفت آسمان بود

اندر دہانِ خاک نہد نفس ناطقہ
تا از زبانِ غیب ترا ترجمان بود

گنجی کہ شاہِ عشق نہد در دل خراب
نقد دو کون در عوضش رائگان بود

ہر ہفت دوزخ از تفِ دل یک شرارہ ایست
ہر ہشت خلد یک گلِ ازین بوستان بود

دیو و ملک بنقطۂ دل در تنازع اند
چون سعد و نحس کش بہ فلک اقتران بود

عقل و ہوا فرشتۂ و دیوند در نہاد
باجسم و جان نشان بہ مثل توامان بود

جان را مدوز حکمت و تن راز شہوت ست
نقصان این مقوی در جان آن بود

کم خوردنست مایہ حکمت دران قرائے
سودِ دلست گرچہ کہ تن را زیان بود

تن مرکبیست بستہ بر آخر ز بہر رزم!
آن بہ کہ روز معرکہ لاغر میان بود

دل چیست دُرِّ بحرِ صفا دان کرا سزد
آن راکه چون صدف همه تن استخوان بود

جان چون مسیح گر رهد از عهد مریمی
با روحِ قدس تا بفلک هم عنان بود

هرکس که پا بدامنِ همت کشد چو کوه
از تند بادِ حادثه اندر امان بود

وآن را که دل بکف بود از بهر مهر دوست
دل هم چو بحر باشد و کف هم چو کان بود

وان را که دیگ تر بود از آتش درون
چون ابر بر بساطِ جهان دُرفشان بود

در محنتِ فراق چو دل می رود ز دست
در لذتِ وصال به بین تا چه سان بود

از ذرّه ذرّه اش بچکد قطره قطره خون
با هر دلے که عشق تو در امتحان بود

هر مرہمی ز غیر تو بر دل جراحت است
زخمی کہ از تو می رسد آرام جان بود

یارب بہ حق سیّد کونین مُصطفےٰ
کش جسم و جان خلاصۂ کون و مکان بود

شاہی کہ تخت سلطنتش گر برون زنند
قدرش فرازِ مملکتِ کن فکان بود

آن خواجہ کز حریم حرم تا فضائ قدس
گاہے عروج نہ فلکش نردبان بود

آن خرقہ پوش فقر کہ بر دوش عرشیان
از گرد دامنِ کرمش طیلسان بود

یارانِ اہلِ بیت کہ در دارِ ضرب عشق
بر نقدِ دوستی رقمِ نام و شان بود

ز ایشان شنیدہ ام کہ ز لطف تو بندگان
ہر چہ گمان برند یقین آن عیان بود

نومید چون شود دل و جانِ امیدوار
جائی که رحمت و کرمِ بیکران بود
دارد معین به رحمتِ حق منتهای تو
امید ازان زیاد که اندر گمان بود

ارشاد محبوب
یعنے
فوائد الفواد

کا اردو ترجمہ جو حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا وہ مجموعہ ہے۔ جو عرصہ دراز سے نایاب تھا۔ انتہائی خوبصورت انداز میں طبع ہوگیا ہے۔ یہ مجموعہ $\frac{20 \times 30}{16}$ تقطیع پر ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ کاغذ سفید چکنا۔ مع جلد حسین گرد پوش

ہدیہ صرف تین روپے